راہ الفت میں

صبا جاوید

''ہاں تو پھر چوہدری رقیم حاشر! کیا سوچا ہے تم نے انابت بی بی کے بارے میں؟ معاملہ بلاوجہ طوالت پکڑتا جا رہا ہے اگر تم سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا تو ہمیں درمیان میں آنے دو، ہم خود ان لوگوں سے نمٹ لیں گے۔'' چوہدری کریم حاشر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پورے طمطراق و تمکنت سے اپنے مخصوص گونج دار لہجے میں مخاطب تھے، چائے سرو کرتی ارم کے ہاتھوں میں واضح لرزش پیدا ہوئی تھی، انہوں نے کن انکھیوں سے چوہدری کریم حاشر کی طرف دیکھا جو ان کے شوہر سے چودہ سال بڑے تھے ان کی بے حد سفید رنگت، سفید اور کہیں کہیں سے جھانکتے کالے داڑھی کے بالوں کے پیچھے چھپی تھی، مگر اس چہرے کی اصلیت سے وہ خوب آشنائی رکھتی تھیں، چوہدری رقیم حاشر کے چہرے پر تاریک سائے منڈلا رہے تھے پیشانی پر تفکر لکیروں سے سلوٹ زدہ تھی۔

سب کچھ پر پیچ اور الجھا ہوا تھا، آخر قدرت انہیں وہیں لے آئی تھی جس سے وہ گزشتہ انیس برس سے بھاگ رہے تھے، عجیب گنجلک تھی، سب کچھ طے ہونے کے باوجود کوئی نئی تحریر رقم ہونے جا رہی تھی جسے کندہ ہونے سے وہ روک نہیں پا رہے تھے، وہ زندگی میں کبھی چوہدری کریم حاشر کے خلاف نہیں گئے تھے، وہ خود میں حکم عدولی کی جرأت نہیں پاتے تھے، مگر یہاں سوال ان کی سگی اولاد کی خوشیوں کا تھا وہ خود کو ان کے مخالف کھڑا ہونے پر مجبور پاتے تھے، چوہدری رقیم حاشر کا مطالبہ رد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا، وہ لوگ

مکمل ناول

انابت کا طلاق دینے پر راضی نہیں، انہوں نے لگ بھگ ایک سال سے دہرایا جانے والا جملہ من و عن دہرایا، چوہدری کریم حاشر کے تاثرات میں سختی پیدا ہوئی تھی ان کے الفاظ نے تندہی اختیار کی تھی۔

"اتنے سے تھے جب سے تمہیں سنبھال رہے ہیں ہم۔" انہوں نے ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے رقیم سائیں ہمیں تمہارے ٹال مٹول سمجھ نہیں آتے، گزشتہ ایک برس سے یہی بہانہ کانوں میں انڈیل کر ہم صبر کر رہے ہیں مگر ہمیں تمہارے تیور ٹھیک نہیں لگتے اگر انابت بی بی کی شادی ہو بھی گئی ہے تو ہم اسے نہیں مانتے، تم ہمارے اصولوں اور ماحول کو خوب سمجھتے ہو رقیم سائیں......!"

"فیصلے کی تاخیر کی وجہ ارم بی بی اور انابت بی بی ہیں بہتر ہے تم ان دونوں کو بھی سمجھا دو، جو چیز ہماری ہے ہم اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتے۔" ان کا انداز تحکمانہ تھا، گویا وہ کوئی لچک دکھانا نہیں چاہتے تھے

"بابا سائیں! آپ کیوں نہیں سمجھتے، انابت کا اشعر اور رقیب کا کوئی جوڑ ہے، یہ اس معصوم بچے کے ساتھ بھی ناانصافی ہے اور انابت کے ساتھ بھی زیادتی ہے۔"

"بابا سائیں! چھوڑیں ان کھوکھلی رسموں اور جھوٹی شان کو، مت بھینٹ چڑھائیں ان معصوم بچوں کو اپنے جاگیریں اور پراگندہ اصولوں کی، آپ یہ بات کیوں نہیں مانتے؟" انہوں نے دبے دبے الفاظ میں ان کے فیصلے کی نفی کی، مگر لہجے میں تلخی اور سرکشی کا عنصر قدرے نمایاں تھا، ان کے فیصلے کی تردید کر کے چوہدری رقیم حاشر نے گویا ان کے عتاب کو آواز دی۔

"بہت خوب رقیم سائیں! بہت خوب، اب تم ہمیں صحیح اور غلط میں فرق سمجھاؤ گے، تم ہم سے باز پرس کرو گے، سب کچھ تمہارے اختیار میں ہوتا تو اب تک تم ان روایات کو جو ہماری پہچان ہیں، اپنی جدت پسندی کی آگ میں جھونک چکے ہوتے، ہمارے اصولوں کو اپنی ترقی کی مٹی تلے دفن کر چکے ہوتے، تم اپنی بیٹی کی خاطر ہماری شان کو بے بنیاد قرار دے رہے ہو ہماری روایات کی پاسداری کرنے کی بجائے ان کو کھوکھلا اور بے معنی ثابت کرنے پر تلے ہو، ہم نے صدیوں سے اپنے خاندان کی بیٹیوں کو اسی طرز پر بیاہا ہے، تمہاری بیٹی کے ساتھ کچھ نیا نہیں ہونے جا رہا، ہماری رسم کو ہماری ضد مت بناؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔" چوہدری کریم حاشر نے چوہدری رقیم حاشر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا، ان کی آنکھوں میں ابلتا غصہ گویا کوئی قہر برپا کرنا چاہتا تھا، ان کی آواز میں گولیوں کی بوچھاڑ تھی تو انداز میں اٹل و حتمی فیصلے کی سی مضبوطی۔

"بابا سائیں! اس کی شادی ہو چکی ہے۔"

انہوں نے بے بسی سے کہا، آواز اور نگاہیں دونوں ہی پست ہو چلی تھیں، گویا احتجاج بھرپور نہیں تھا۔

اقرار نہیں ہوا تھا لیکن انکار میں بھی شدت نہیں تھی، عجیب بے بسی کا دور تھا، وہ اپنی بیٹی کے لئے کچھ نہیں کر پا رہے تھے، ان کے اندر جوار بھاٹا جل رہا تھا وہ تمام اصول، روایات، رسوم تہس نہس کر دینا چاہتے تھے مگر سامنے کھڑا شخص ان سے چودہ سال بڑا ہونے کے ساتھ ان کا بھائی بھی تھا، وہ ان کے ساتھ محاذ آرائی میں مگن تھے۔

"ہم نہیں مانتے اس شادی کو، کیا لکھ کر دیں تمہیں؟ بہت غلط فائدہ اٹھایا ہے تم نے ہماری آزادی کا، تم نے اپنی پسند سے شادی کی، ہم نے منع نہیں کیا کہ یہ رئیسوں کا شیوہ ہے، تم نے اپنی بیٹی کی پرورش جدید ستونوں پر کی ہم نے کڑوا

گھونٹ پیا، کیونکہ ہم جانتے تھے کہ آخر کار انابت بی بی ہماری امانت ہے اور اسے یہیں آنا ہے، مگر تم نے بغاوت کی ہے رقیم سائیں! بیٹیاں ہمارے ہاں خاندان سے باہر دینے کا رواج نہیں تم نے ہمارے اعتماد کو سینے میں بغاوت کا چھرا گھونپا ہے، تم ہمارے بھائی نہ ہوتے تو ایسی سزا دیتے کہ دھرتی کا سینہ پھٹ جاتا، اگلی بار جب ہم آئیں تو معاملہ صاف ہونا چاہیے ورنہ طلاق یافتہ انابت نہ سہی بیوہ تو ہم لے ہی جائیں گے۔"

ان کے الفاظ دل دہلا دینے کی حد تک بے رحم اور سفاک تھے ان کی آنکھوں میں جنون خیز اشتعال تیر رہا تھا، ان کی باتیں نیزے کی انی کی طرح ارم اور چوہدری رقیم حاشر کے وجود میں پیوست ہوئی تھیں، ان کے الفاظ تھے یا زہر میں لپٹی خونچکاں حکایتیں، عقب میں کھڑی انابت رقیم کا دل سینے میں پھڑپھڑا کر رہ گیا۔

"لیکن بابا......!"

"ہاں...... رقیم سائیں ہمارے قہر کو آواز مت دو۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں کچھ بھی کہنے سے باز رکھا، ان کے قدموں کی آواز سنگلاخ پتھر کی طرح ارم انابت اور چوہدری رقیم حاشر کے دلوں پر پڑ رہی تھی، تنے ہوئے خدوخال لئے وہ قدرے بگڑے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئے، مگر تمام جملہ افراد پر جامد سناٹا طاری ہوا تھا جیسے ہر احساس سے رشتہ ٹوٹا تھا، انابت رقیم بہت بے بسی سے واپس اپنے کمرے میں گئی تھی، دل میں اٹھتے خوف کے سائے اس کی رنگت میں زردی گھولنے لگے تھے، خون جیسے بوند بوند نچوڑ لیا گیا تھا، اس ساحر کی ڈبڈبائی سی تصویر اس کی نم آلود نگاہوں میں اتر گئی تھی۔

☆☆☆

ارم، ملازمہ کے ساتھ مل کر افطاری کے بعد ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چن رہی تھیں، چوہدری رقیم حاشر عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد روانہ ہو چکے تھے، انابت رقیم اور ارم انہی کا انتظار کر رہی تھیں، ہر سو مہیب سناٹے کا راج تھا، محض برتنوں کی کھٹ پٹ سے ماحول میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو جاتا، مختصر سے افراد پر مشتمل اپنا گھر دیکھ کر اسے بھرا پرا "ابصار ہاؤس" یاد آنے لگا تھا، کوئی بھولی بھٹکی یاد دامن بھگونے کو بے تاب تھی، انابت رقیم کو اپنے اندر عجیب سی ویرانیاں اترتی محسوس ہو رہی تھیں، بہت اکتا کر وہ لاؤنج سے اٹھ کر گلاس ڈور دھکیلتی لان میں چلی آئی، ہر شے پر تاریکی کی راجدھانی تھیں، ایسے خاموش اور پراسرار تاریکی بہت بھلی لگ رہی تھی، انابت رقیم نے لان میں بچھی چیئرز میں سے ایک اپنے لئے منتخب کی اور اس پر ٹک گئی، اس نے ٹانگیں پسار کر سر کرسی کی پشت پر ٹکا لیا، نظریں آسمان کے وسیع سینے میں محو سفر تیسرے دن کے چاند پر تھیں جو نجانے کیسی سرگوشیوں میں مگن تھا کمان کی شکل اختیار کیے تیسرے دن کا چاند کبھی بادلوں کے ٹوٹتے بکھرتے سیاہ ٹکڑوں کی اوٹ میں ہو جاتا اور کبھی ان کو پیچھے چھوڑ کر چپکے سے فلک پر آشکار ہو جاتا۔

دو ننھے ننھے قطرے آنکھوں سے راستہ بھٹک کر عارض بھگونے لگے تھے، اس نے درد کی کوئی لہر سینے میں اٹھتی محسوس کی تھی، کوئی بھولا بسرا شخص اپنی یادوں کے ساون میں اسے بھگونے لگا تھا، جس کی پہلی بار دیکھتے ہی دل کی دھڑکن نے رفتار پکڑی تھی، اس کے ساتھ کی تمنا کی تھی، اس نے بہت کرب سے آنکھیں میچ لیں، جیسے کچھ یاد کرنا نہ چاہتی ہو، مگر یادوں پر اختیار کب ممکن ہے، اندھیرے سے لپٹے ساکت درخت اسے اپنی زندگی کی طرح مغموم اور اداس لگ رہے تھے، عجیب زندگی کی تھی اس کی، خوشیاں تھیں تو وہ بھی بے حساب، اب غم تھے تو وہ بھی لامحدود۔

"آہ!"

جانے وہ کتنی دیر ان تکلیف دہ خیالوں اور تصوراتی دنیا میں کھوئی رہتی جب ارم کی آواز نے اسے حال کے تکلیف دہ باب میں لا پٹخا، اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور آنکھیں رگڑتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو بیٹا؟" انہوں نے بہت محبت سے اس کے بال سمیٹے۔

"کچھ نہیں، بس پاپا کا ویٹ کر رہی تھی۔" اس نے خود کو منکشف ہونے سے بچایا، مگر اولاد اپنی ماں سے چھپانا بھی چاہے تو بھی کچھ نہیں چھپا سکتی، اس کا فرار ارم خود سمجھ چکی تھیں۔

"کیوں خود کو اتنی تکلیف دے رہی ہو انا؟ چھوڑ دو فضول کی ضد، مان جاؤ بیٹا، اپنے لئے نا سہی اپنے والدین کے لئے۔" ارم اس کے سامنے والی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئیں اور ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگیں۔

"میں کوئی ضد نہیں کر رہی مما، مجھے جو ٹھیک لگ رہا ہے میں وہی کر رہی ہوں۔" اس نے بہت کٹھور پن سے کہا اور رخ پھیر گئی۔

"میں شہوار بھائی سے بات کرتی ہوں وہ تمہیں خود آ کر لے جائیں گے۔" انہوں نے ایک بار پھر کوشش کی۔

"میری ذات، میرا وجود ایک ناسور ہے جسے "ابصار ہاؤس" کے مکینوں کو سونپ کر آپ اپنے گلے سے اتار کر ان کے گلے میں ڈال دینا چاہتی ہیں، تو اس عذاب کو جڑ سے ختم کیوں نہیں کرتیں ماما، اسے وہاں پہنچائیں جو اس کی جگہ ہے، تا کہ سب آسودہ اور مطمئن رہ سکیں۔" اس نے بے رحمی سے خود پر تبصرہ کیا، ارم نے بہت بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"ضد تو تمہیں ورثے میں ملی ہے ایک تمہارا باپ ہے جو اپنی منوانے کے در پے ہے، دوسرے تمہارے تایا ہیں جو اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تیسری تم ہو اپنے ددھیال کی کاربن کاپی، مجال ہے جو میری بات اس لڑکی کی عقل میں سمائے۔" ان کی آواز میں کوئی رنج تھا، اس سارے مسئلے سے شاید وہ تھکنے لگی تھیں۔

"مما کیا برائی ہے منیب میں، آپ شہوار انکل سے کہیں وہ طلاق کے پیپرز بنوائیں، میں منیب سے شادی کروں گی۔" اس نے گویا خود پر قیامت ڈھائی، یہ الفاظ اس کے اندر سے ہر احساس گویا اکھاڑ کر لے گئے تھے۔

"ہوش میں تو ہو تم، میں اور تمہارے پاپا ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے، تم نے یہ کیسے مان لیا ہے کہ تمہاری ہر ضد کی طرح ہم یہ فضول ضد بھی مان لیں گے۔" ارم کے بے طرح غصہ آیا تھا۔

"حد کرتی ہو انا، ایک ماں سے کہہ رہی ہو کہ اپنی بیٹی کو دوزخ کی آگ میں دھکیل دو اور کس منیب کی بات کر رہی ہو تم وہ جو......" دکھ سے جملہ وہ مکمل نہیں کر پائی تھیں بہت تاسف سے ارم نے انابت رقیم کے پتھریلے چہرے کو دیکھا۔

"ماں نہیں ہو نا تم، اس لئے ماں کی اذیت نہیں سمجھ سکتی، کیسے بھیج دوں تمہیں ان بھیڑیوں کے درمیان، پھولوں سے بھی زیادہ نزاکت سے پالا ہے تمہیں، کس طرح اس کال کوٹھڑی کے سپرد کر دوں، جہاں سانس لینے کے لئے بھی اجازت درکار ہے، عمر بھر کی اذیت اپنی بیٹی کے نصیب میں اپنے ہاتھوں سے تحریر کروں، یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔" ارم کی آواز رندھ گئی تھی، انابت رقیم خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی، اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر ارم کا دل جیسے کسی نے کچل کر رکھ دیا، اپنی قسمت کے دھاگوں میں الجھی یہ انیس سالہ لڑکی انہیں یکدم ہی بہت بڑی اور سمجھ دار لگنے لگی تھی۔

"تو پھر دعا مانگیں مما، انابت مر جائے،

انابت کو اس پل پل کی موت سے دائمی نجات مل جائے۔" آنکھوں پر لگے پہرے ایک دم ٹوٹے تھے، آنسوؤں نے بڑی تیزی سے جگہ بنائی تھی، شدت گریہ سے وہ سرخ پڑنے لگی تھی، ارم نے تڑپ کر اسے بازوؤں میں بھرا تھا، انابت رقیم اور شدت سے بلکنے لگی تھی۔

☆☆☆

چوہدری رقیم حاشر اور چوہدری کریم حاشر دونوں بھائی تھے اور جاگیردارانہ طرز زندگی سے تعلق رکھتے تھے، خاندانی روایات کی پاسداری اور ہر دور میں ان کو زندہ جاوید رکھنا ان کا اولین فریضہ تھا، یہی وجہ تھی کہ ٹیکنالوجی اور سائنس کی ترقی کے باوجود ان کی حویلی میں وہی قدیم رسم و رواج بڑی تیزی سے ترویج پا رہے تھے، بیٹیوں کو برادری سے باہر بیاہنے کا رواج ان میں نہ تھا، ان کے نزدیک عورت کا وجود محض ایک خدمت گزار داسی کا سا تھا، آزادی اور حقوق نسواں جیسے الفاظ ان کی زندگی سے حذف تھے، جس کی بنیادی وجہ کروڑوں کی جائیداد تھی، بیٹیاں باہر بیاہنے سے انہیں اس جائیداد سے ہاتھ دھونے پڑتے جو انہیں کسی طور قبول نہ تھا لہٰذا بیٹیاں خاندان میں رکھی جاتیں، چاہے ان کا کوئی جوڑ ہو یا نہ ہو، چاہے وہ ساری عمر کنواری ہی رہ جائیں۔

چوہدری رقیم حاشر، چوہدری کریم حاشر سے چودہ برس چھوٹے تھے، چھوٹی سی عمر میں ہی ان کی ذمہ داری چوہدری کریم حاشر کے کندھوں پر آ گئی، خود چوہدری کریم حاشر کو کمسن عمر میں ہی معاملات سنبھالنے پڑے چنانچہ وہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے، تاہم انہوں نے چوہدری رقیم حاشر کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ بھیج دیا، وہاں انہوں نے ارم سے شادی کر لی، چوہدری کریم حاشر بہت سیخ پا ہوئے، مگر پھر خاموشی اختیار کر گئے، لیکن انابت رقیم کی پیدائش پر انہیں خدشات گھیرنے لگے، چنانچہ انہوں نے حکم جاری کیا کہ واپسی کے لئے رخت سفر باندھیں لیکن چوہدری رقیم حاشر نے سہولت سے انکار کر دیا، تاہم انہوں نے انابت رقیم کی نسبت بروقت طے کر دی اور چوہدری اقیم حاشر نے انہیں تحفظ کا بھرپور یقین دلایا۔

جس کا مقصد محض وقتی طور پر ان کے مطالبے کو دبانا تھا مگر جب انابت بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی تھی تو چوہدری کریم حاشر کا اصرار بڑھنے لگا تھا ان کا کوئی بہانہ کارگر ثابت نہ ہوا اور انہیں پاکستان واپس آنا ہی پڑا، چوہدری کریم حاشر، انابت رقیم کی شادی منیب حاشر سے کرنا چاہتے تھے جو انہیں کا پرتو تھا اور ایسی ہی سفاک اور بے حس سوچ کا حامل تھا، جو ان کا بڑا بیٹا تھا اور لگ بھگ چالیس برس کا تھا، جبکہ اس کے متبادل کے طور پر عاشر کو پیش کیا گیا۔

جو محض چھ برس کا تھا اور ان کی دوسری بیوی کا اکلوتا بیٹا تھا، اپنے ماحول سے فرار پا کر وہ سوچ رہے تھے کہ انہوں نے نجات پا لی ہے وہ سب کچھ بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں، مگر وہ تو اب بھی چوہدری کریم حاشر کی گرفت میں تھے قدیم، جان لیوا، روایات کی بیڑیوں میں جکڑے تھے، چنانچہ امریکہ سے واپسی پر انہوں نے انابت رقیم کو "ابصار ہاؤس" بھیج دیا، شہوار ابصار اور رقیم حاشر بہترین دوست تھے پاکستان میں ان کے تعلقات بہت سے لوگوں سے تھے مگر شہوار ابصار کا شمار ان کے بہترین اور پر اعتماد دوستوں میں ہوتا تھا، چنانچہ انابت رقیم کو وہاں بھیج کر وہ خود ارم کے ساتھ گاؤں روانہ ہو گئے جہاں چوہدری کریم ان کے منتظر تھے تا کہ وہ متوقع صورتحال سنبھال سکیں۔

☆☆☆

"کنزی پلیز یار ایک کپ کافی ملے گی۔" دھپ سے صوفے پر گرتے ہوئے اس نے کہا، کنزی جو کتابوں میں منہ دیئے بیٹھی تھی ایک لمحہ

کے لیے ... برآمد کیا اور پھر سے اپنے کام میں مشغول ہوگئی، اثابت رحیم کا پارہ یکدم ہائی ہوا تھا۔

''چلو میرے ساتھ کچن میں، میں خود بنا لوں گی، لیکن تم میرے پاس کھڑی رہنا، پلیز ان بورنگ بکس کو بند کرو، ترس گئی ہوں تمہاری آواز سننے کے لیے۔'' اس کے سامنے بکھری کتابوں کو زبردستی سمیٹتے ہوئے اس نے گویا التجا کی، کنزٰی کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔

''اچھا ٹھیک ہے چل رہی ہوں لیکن پلیز اب رونے مت بیٹھ جانا۔'' اس نے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے گویا مذاق اڑایا۔

''اڑا لو مذاق میرا، کیا یار صبح سے تم لوگ نکلتے ہو شام تک واپس آتے ہو، اکیلے پڑے پڑے میں بور ہو جاتی ہوں، واپس آتی ہو تو بھی کتابوں میں منہ دے کر بیٹھ جاتی ہو، کیا کرو گی اتنا پڑھ کر، کرنا وہی چولہا برتن ہی ہے۔'' اب وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

''کیا یار اثا کام کر رہی ہے، یا اللہ ہمارے کچن کی خیر کرنا۔'' میرب نے بڑے غلط وقت پر انٹری دی تھی۔

''تم کب آئے؟ اور کچن کی خیر کیوں مانگ رہے ہو، میں تمہیں بدسلیقہ لگتی ہوں، پھوہڑ کہنے کی کوشش کر رہے ہو مجھے؟'' تیکھے تیور لیے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی، پہلے ہی اس کا موڈ آف تھا۔

''کیا مطلب کہ میں کہنے کی کوشش کر رہا ہوں، تم ہو اثا۔'' میرب نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔

''چپ کر جاؤ، بہت پٹو گے میرے ہاتھوں۔'' اس نے دھمکی دی، وہ محاذ آرائی میں مصروف ہو چکی تھی، کنزٰی مسکراتے ہوئے خود بنانے لگی تھی۔

''اثا لڑائی چھوڑو اور میرے لیے بھی ایک کپ کافی بنا دو۔'' اسے تپا کر وہ صلح کی کوششیں کر رہا تھا۔

''زہر نہ ملا دوں کافی میں۔'' وہ جل کر بولی۔

''زہر نہ بھی ملاؤ، تمہارے ہاتھ سے بنی کافی کا ذائقہ ہی زہر جیسا ہوگا، میں تو پیتے ہی اللہ میاں کو پیارا ہو جاؤں گا۔''

یہ درست تھا کہ اثابت رحیم امور خانہ داری کے معاملات میں اناڑی تھی مگر وہ قبول نہیں کرتی تھی اپنی اس کمزوری کو، لیکن میرب اسے ہر دم چھیڑتا رہتا تھا اور ہر روز اس کی جنگ معمول کا حصہ تھی۔

اب بھی اس کے متوقع ردعمل سے پہلے ہی وہ کچن سے نکل چکا تھا جبکہ اثابت رحیم لکڑی کا ہلکا سا چمچ اٹھا کر اس کے پیچھے نکلی تھی۔

''آج تو میں تمہیں سیدھا کر دوں گی، ٹھہر جاؤ ذرا۔'' اس نے باآواز بلند جنگ کا اعلان کیا، پورے لاؤنج میں وہ اثابت رحیم کے چکر لگوا رہا تھا، اچانک وہ دروازے سے باہر نکلا تھا اثابت رحیم بھی اس کے پیچھے نکلنے لگی تھی تب ہی شاید وہ اس کی راہ میں حائل ہوا تھا، وہ بری طرح ٹکرائی تھی، اس کا سر شاید دروازے میں لگا تھا، ایک لمحے کے لیے تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا، دروازہ خاصا مضبوط تھا، اثابت رحیم کو تو کم از کم ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

''یہ گھر ہے کوئی پبلک پلیس نہیں جہاں آپ اندھا دھند واک کر رہی ہیں۔'' کرخت مردانہ آواز اس کی سماعت سے ہوتی ہوئی شعور تک پہنچی اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے، فوراً ہی سامنے کا منظر صاف ہوا تھا، جسے وہ اب تک دروازہ سمجھ رہی تھی وہ ایک مضبوط اور بھرپور جاذبیت کے حامل نوجوان کا سینہ تھا، جس نے اس کے دماغ کی چولیں تک ہلا دیں تھیں، اس نے ہڑبڑا کر اس شخصیت کے عقب میں دیکھا، جہاں میرب

مودب سا کھڑا تھا، اس کے دیکھنے پر فوراً دانتوں کی نمائش کرنا اس نے ضروری سمجھا۔

''وہ...... میں......'' اس سے کچھ بن نہ پڑا تو زبان دانتوں تلے دبا کر خاموش ہوگئی۔

ایش گرے تھری پیس میں ملبوس خطرناک حد تک پرکشش اور جاذب نظر نوجوان نے اس کی زبان گنگ کر دی تھی، اس کی نگاہوں میں واضح ناپسندیدگی کے تاثرات ابھرے تھے۔

''اب اسٹیچو بن کر راستے میں کیوں کھڑی ہیں، ہٹیں یہاں سے مجھے اندر آنے دیں۔'' اسے وہیں براجمان دیکھ کر اس نے بیزاری سے کہا تو اثابت رحیم کو احساس ہوا کہ وہ ابھی تک دہلیز پر کھڑی ہے بلیک جینز کے ساتھ سلیولیس گھٹنوں سے ذرا اوپر تک آتی شرٹ زیب تن کیے دوپٹے سے بے نیاز یہ لڑکی اسے ایک آنکھ نہیں بھائی تھی، وہ فوراً دو قدم پیچھے ہٹی تھی، وہ بہت تیزی سے اس کے پہلو سے نکل گیا، اس کے بھاری بوٹوں کی دھمک میں اسے اپنا دل اٹکتا محسوس ہو رہا تھا۔

''سوری اثا! مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اذن بھائی آ جائیں گے اور آتے ہی تمہاری ان سے ملاقات اس پچویشن میں ہوگی۔'' میرب خفت زدہ سا اس کے کان کے پاس سرگوشی کر رہا تھا۔

''اٹس اوکے۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''اثا...... کافی بن گئی ہے لے لو آ کر۔'' کنزٰی نے اسے آواز دی۔

''نہیں اب میرا موڈ نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، کنزٰی نے حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

''کیوں چھیڑتے ہو اسے، دیکھا برا مان گئی۔'' کنزٰی نے میرب کی کھنچائی کی۔

''وہ میری وجہ سے نہیں، اذن بھائی کی وجہ سے ڈسٹرب ہے اثا۔'' میرب نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔

''آ گئے اذن بھائی، اچھا میں اسے دیکھتی ہوں، تم کھنک کو اکیڈمی سے لے آؤ۔'' کنزٰی نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا نکل گیا۔

☆☆☆

اثابت رحیم کی پاکستان واپسی کو چوہدری کریم حاشر سے فی الوقت مخفی رکھا گیا تھا، وہ گزشتہ دو ہفتوں سے ابصار ہاؤس میں مقیم تھی یہ ابصار ہاؤس کے مکینوں کا بے لوث پیار اور چاہت ہی تھی اور کچھ اس کی طبیعت کی بولڈنیس جو وہ بہت جلد ان کے ساتھ ایڈجسٹ کر گئی تھی۔

شہوار ابصار اور ریحان ابصار دونوں نے مل کر ابصار ہاؤس کا آشیانہ سجایا تھا۔

ریحان ابصار کی ازدواجی زندگی صبا کے سنگ گزر رہی تھی ریحان اور صبا کا آنگن کنزٰی، کھنک اور میرب نے مہکایا تھا جبکہ شہوار ابصار اور ورا ابصار کے خاندان کو نویان اور اذن ابصار نے مکمل کیا۔

میرب اور کھنک دونوں ایف ایس سی کے فائنل ائیر میں تھے، کنزٰی اپلائیڈ فزکس میں ماسٹرز کر رہی تھی اور فائنل ائیر میں تھی، اذن ابصار اور نویان ابصار جرنلزم کے بعد اپنا ذاتی رسالہ نکال رہے تھے۔

اذن ابصار گزشتہ دو ہفتوں سے کراچی گئے ہوئے تھے کیونکہ ان کا میگزین بین تھا، اس کی اشاعت پر پابندی تھی لہٰذا وہ اثابت رحیم سے نہیں مل سکا تھا تاہم گھر لوٹتے ہوئے سب سے پہلے اس کا سامنا اثابت رحیم سے ہو چکا تھا، وجہ اس کا مغربیت کے لبادہ میں لپٹا وجود اور حد سے زیادہ بولڈنیس اذن ابصار چار سال لندن جیسے آزاد خیال شہر میں گزار کر آیا تھا، جدت کے نام پر عریانیت کے کھلے عام مناظر کی نمائش نے اس کی آنکھوں کو جلانا شروع کر دیا تھا، اسے مغربی طرز زندگی سے کچھ پرخاش نہ تھی لیکن مشرقی

لڑکیوں پر خوب غصہ آتا تھا جو فیشن کے نام پر دھڑا دھڑ مغربی اقدار کو اپنا رہی تھیں۔

انابت رحیم کے طور طریقے بھی اسے کچھ خاص پسند نہیں آئے تھے لیکن وہ خاموشی اختیار کر گیا تو محض اس وجہ سے کہ وہ چند دن تک ان کے ہاں مہمان تھی۔

☆☆☆

''کہاں جا رہے ہو تم؟'' ساڑھے گیارہ بجے کے قریب نویان ابصار کو پورچ کی طرف بڑھتا دیکھ کر اذن ابصار نے تیکھے انداز میں دریافت کیا۔

''وہ یار!...... انا نے کچھ کھایا نہیں تو، اصل میں اس کا موڈ نہیں۔'' نویان نے وضاحت دی۔

''تو۔'' اس کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

''تو اسے آئسکریم کھانی ہے وہی لینے جا رہا ہوں۔'' نویان، اذن ابصار سے ڈیڑھ برس بڑا تھا، لیکن دونوں بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین دوست بھی تھے، نویان اور اذن نے ایک دوسرے کے مابین کبھی عمروں کا فرق آنے نہیں دیا تھا۔

''عجیب لڑکی ہے یار! اتنی رات کو آئسکریم کی کیا تک بنتی ہے، آئسکریم سے پیٹ بھرتا ہے کیا؟'' اس نے جل کر تبصرہ کیا آفس بیگ ملازم کے ہاتھ اندر بھجوایا اور گیٹ کے طرف قدم بڑھا دیئے، جس کا مطلب تھا کہ وہ بھی نویان کے ساتھ جا رہا ہے۔

''یار مہمان ہے، مہمان نوازی تو کرنی ہی پڑے گی۔'' نویان نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا، مقصد اس کا موڈ بحال کرنا تھا۔

''اور وہ اسودہ رضا کے کیس کا کیا بنا۔'' نویان نے ایک سیاسی نام لیا، جس پر اداریہ لکھنے اور رپورٹ کرنے کے بعد ان کے میگزین کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

''کچھ نہیں یار! میں نے بھی اسے بھیگی بلی بنا کر ہی دم لیا۔'' اب کے وہ مسکرایا، گویا وہ اپنی فتح پر خوش تھا۔

''یار! ان لوگوں سے پنگا لینا ٹھیک نہیں اور ہم تو فیملی والے ہیں، ذرا کانٹ چھانٹ کر لکھا کر قلم کو قلم کی طرح استعمال کیا کر خنجر کی طرح نہیں کہ جو پڑھے بس کٹ کر گر جائے۔'' نویان نے اسے ہمیشہ کی طرح خبردار کرنا چاہا۔

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو...... تم بتاؤ تمہارا انابت کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اس نے اچانک موضوع بدلا۔

''کیا مطلب؟'' تیکھے چتون تنے تھے۔

''رائے لے رہا ہوں تمہاری۔'' نویان نے مطلع کیا۔

''ٹھیک ہے، مطلب؟ کچھ سمجھ نہیں آیا؟'' وہ جاننے پر مصر ہوا۔

''یار ایک مہمان کی حد تک ٹھیک ہے، لیکن اگر تم پرسنلی پوچھ رہے ہو تو میری رائے ایسی لڑکیوں کے بارے میں جانتے ہو۔'' اس کا اشارہ انابت رحیم کے آزاد پرور ماحول کی طرف تھا۔

''اچھا تو امریکہ میں تربیت پانے والی لڑکی سے تم عبایا پہننے کی امید رکھو تو یہ فضول سوچ ہے۔'' اس کی بات کا مطلب جان کر نویان نے طنز کیا۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

''تو پھر کیا کہا ہے؟''

''تمہیں کیا تکلیف ہے انابت کے بارے میں میری رائے لینے کی۔'' وہ اچھا خاصا چڑ گیا۔

''کتنی بے باک ہے وہ، تمہیں بھی سب پتہ ہے۔'' اذن ابصار کہنا نہیں چاہتا تھا مگر نویان نے کہلوا کر ہی دم لیا۔

''یار میں نے پہلے بھی کہا ہے امریکہ کی پیداوار ہے تو اتنی بے باکی کی امید تو ہمیں رکھنی ہی چاہیے۔'' اس نے انابت رحیم کا دفاع کرنا چاہا، جو اس کے نفاست پسند بھائی کو قطعاً پسند نہیں آئی تھی۔

''تم اس کا دفاع کیوں کر رہے ہو؟'' اس نے تیکھے پن سے پوچھا۔

''یار وہ بہت فرینڈلی ہے۔'' نویان پھر گویا ہوا۔

''تم اس کے بارے میں مجھ سے بحث مت کرو، تم سب لوگ تو پتہ نہیں کیوں اس چھٹانک بھر کی لڑکی کے جادو تلے گم ہو، ہر چیز سے بے خبر ہو گئے ہو، چند دن تک اس لڑکی کو برداشت کرنا پڑے گا اس کے بعد تو اسے یہاں سے جانا ہے۔'' اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔

''اور اگر وہ ساری عمر کے لئے پلے پڑ گئی تو؟'' مطلوبہ آئس کریم کی پیکنگ کا آرڈر دیتے ہوئے اس نے شرارت سے کہا۔

''کنزی کو بتاؤں گا کہ تمہارے ارادے نیک نہیں ہیں۔'' اذن ابصار نے اس کی بات میں اسے ہی پکڑا۔

''ارے نا کر یار، میں نکاح شدہ بچہ ہوں اور ویسے بھی وہ مجھے ٹھنک کی طرح ہی پیاری لگتی ہے۔'' اس نے فوراً اپنا قانونی رشتہ واضح کیا، کنزی اور نویان کا دو سال قبل نکاح ہو چکا تھا اور کنزی کے فائنل سمسٹر کے بعد باقاعدہ رخصتی اور ولیمہ کی تقریب ہونا قرار پائی تھی۔

''اور میں تمہیں شتر بے مہار لگتا ہوں، حیا کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔'' اس نے اپنی منگیتر کا نام لیا، کوئی باضابطہ اعلان تو نہیں تھا لیکن دونوں گھرانے کچھ ایسا ہی ارادہ رکھتے تھے حیا ان کی خالہ زاد کزن تھی، لہٰذا اپنی اپنی جگہ وہ مائنڈ میک اپ کر چکے تھے۔

''یہ تو کوئی توجیح نہیں پھر بھی اگر ایسا کچھ ہو جاتا ہے تو؟'' اذن ابصار نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں اس کا مذاق اسے قدرے ناگوار گزرا تھا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے، تم کیوں فضول میں ''انابت نامہ'' کھول کر بیٹھ گئے ہو؟ تم مجھے اس سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی سے منسوب کر رہے ہو، جس میں میچورٹی نام کی کوئی چیز نہیں جو ابھی بچپنے سے ہی باہر نہیں آئی، وہ میری طبیعت سے ایک فیصد بھی نہیں ملتی، اسے دیکھتے ہی میرا خون رگوں میں ابلنے لگتا ہے، ایک لمحہ کے لئے میں اسے بھی خوشی برداشت نہیں کر سکتا کجا کہ ساری عمر......''

''جس کے ساتھ اس کی شادی ہو گی وہ یقیناً کوئی ابنارمل انسان ہی ہو گا۔'' اس کی مذاق میں کہی گئی بات اذن ابصار کو تلووں لگی اور سر پہ بجھی۔

''اچھا چھوڑ یار، جسٹ ریلیکس، میں تو محض مذاق کر رہا تھا اور ویسے بھی حالات سنبھلتے ہی رحیم انکل اسے واپس بلا لیں گے۔'' نویان ابصار نے اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنا چاہا، وہ آئسکریم پارلر سے باہر نکل رہے تھے۔

''اچھا رحمان آفندی سے انٹرویو کی ڈیٹ فائنل ہوئی۔'' اس نے اس کی توجہ آفس کے امور کی جانب مبذول کروائی۔

''ہاں یار، ڈیٹ اور ٹائم دونوں مل گئے ہیں۔'' انابت رحیم کو اپنے ذہن سے جھٹکتے ہوئے اس نے نویان ابصار کو تفصیلاً آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

''مجھے لانگ ڈرائیو پر جانا ہے۔''

وہ اذن ابصار کے سامنے کھڑی یوں فرمائش کر رہی جیسے دونوں برسوں کے رفیق ہوں، ڈھیلا ڈھالا کاٹن کا ٹراؤزر اور اسکن ٹائٹ کی شرٹ پہنے وہ اسے زہر سے بھی زیادہ بری لگی تھی، گزشتہ ڈھائی ماہ میں یہ دن کی پہلی روبرو گفتگو تھی، اس کے عقب میں ردا بھی کھڑی تھیں۔

"یہ کون سا وقت ہے اس فضول فرمائش کا۔" اذن ابصار نے اس کی توجہ وقت کے بیتے دھارے کی طرف مبذول کروائی، بارہ بج رہے تھے وہ صرف ردا کی وجہ سے تحمل سے کام لے رہا تھا ورنہ وہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا، مگر اس کے چہرے کے بجز کیلے تاثرات انابت رحیم کو سب کچھ باور کروا رہے تھے۔

"انا بیٹا آپ اپنے روم میں چلو، میں اس سے بات کرتی ہوں۔" اس کے موڈ کے زیر اثر ردا نے جلدی سے کہہ کر اسے رخصت کیا، تو وہ اثبات میں سر ہلاتی واپس ہو گئی۔

"یہ کوئی وقت نہیں ایسے چونچلوں کا، میں اسے کہیں نہیں لے جا رہا۔" اس کے نکلتے ہی اس نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے تڑخ کر کہا۔

"لے جاؤ اذن! اس نے تمہارے پاپا سے پرمیشن لی ہے۔" ردا نے حدوت آمیز لہجے میں کہا تو اذن ابصار کو تو جیسے پتنگے لگ گئے۔

"سو واٹ مما؟ پاپا نے اس لڑکی کی خاطر ہمارے گھر کے اصول بدل دیئے، کہاں لڑکوں کو بارہ بجے کے بعد گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں وہاں اسے لانگ ڈرائیو کی اجازت دے دی گئی، پچھلے ڈھائی ماہ سے میں اس لڑکی کو برداشت کر رہا ہوں، مگر اب مزید نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

"آواز دھیمی رکھو، مہمان ہے وہ یہاں، اس کی ضرورتوں کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے تنہا بچی کو اتنے سارے اجنبیوں کے درمیان رحیم بھائی نے تمہارے پاپا کے بھروسے بھیجا ہے اس کی خواہشات کا خیال ہمیں ہی کرنا ہے مگر تم نے تو اول دن سے ہی جانے کیوں بچی سے بیر باندھ لیا۔" ردا نے اس کی درگت بنانا لازمی سمجھا۔

"چلو بات ہی ختم۔" اذن ابصار نے جل کر سوچا۔

"سیدھے منہ بات تک نہیں کی کبھی تم نے، باقی بچے بھی ایگزامز میں مصروف ہیں، سارا دن ہم اسے بہلاتے رہتے ہیں، خوب ہی کمپنی دے رہو تم بہن بھائی مل کر اسے۔" انہیں اذن کے ساتھ ساتھ باقی سب پر بھی غصہ آیا تھا۔

"کہیں سے مہمان لگتی ہے وہ آپ کو؟" اس نے چڑ کر کہا۔

"مجھے مت سمجھاؤ تم، لے جا رہے ہو یا نہیں، تو یان بھی آؤٹ آف سٹی ہے ورنہ اسے ہی کہہ دیتی۔" اس کی تیوریوں کو نظر انداز کرتی وہ درشتی سے بولیں۔

"لے جا رہا ہوں اس کو، لیکن اسے کہہ دیں کوئی ڈھنگ کا لباس پہن لے، ایسے اوٹ پٹانگ حلیے میں، اس میں کہیں نہیں لے کر جاؤں گا۔" اس نے صاف لفظوں میں اپنا مطالبہ بتایا اور چینج کرنے کے لئے واش روم میں گھس گیا۔

ردا نے فوراً اس کی بات مان لی، غنیمت تھا کہ وہ مان گیا تھا، کچھ ہی دیر بعد وہ کف موڑتا ہوا پورچ تک آیا تھا جہاں انابت رحیم پہلے سے ہی موجود تھی، جینز کے ساتھ لانگ شرٹ پہنے، بڑا سا دوپٹہ اوڑھے وہ کافی حد تک معقول لگ رہی تھی، دوپٹہ آدھا کندھے پر جھول رہا تھا اور آدھا زمین کی زینت بنا ہوا تھا، اذن ابصار کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے نجانے کیوں اس کی دھڑکن کی رفتار بڑھ گئی تھی، اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی وہ بظاہر بہت پر اعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا پرابلم تھی ان کپڑوں میں، اچھے بھلے تو تھے آپ بھی حد کرتے ہیں، بات تک کرنا مجھ سے پسند نہیں کرتے اور میری ڈریسنگ پہ کتنی تنقید کرتے ہیں۔" حسب عادت اس نے کھلے ڈلے الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کیا اذن ابصار کو بے حد غصہ آیا تھا، جس کا اظہار اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا کر کیا تھا۔

سڑکیں ویران اور خاموش تھیں، صبح جہاں ٹریفک کے اژدحام ہوتے تھے وہاں اب تاریکی اور خاموشی مل کر کوئی پراسرار داستان پیش کر رہی تھیں۔

انابت رحیم بہت دلچسپی سے باہر اندھیرے کو دیکھ رہی تھی۔

"گاڑی تو آہستہ چلائیں، کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا سب کچھ ایک دوسرے کے پیچھے جیسے بھاگ رہا ہے۔" اس نے حکم صادر کیا۔

"میں تمہارے آرڈر کا پابند نہیں ہوں، چپ چاپ بیٹھی رہو۔" اس نے تڑخ کر کہا، تو انابت رحیم نے رخ موڑ کر نیوی بلیو اور اسکائی بلیو کنٹراسٹ کی جینز شرٹ میں ملبوس اس بے حد وجیہہ شخص کو دیکھا، جسے دیکھتے ہی اس کا دل عجیب عجیب خواہش کرنے لگتا تھا۔

وہ دانستہ طور پر اسے نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتی تھی۔

"بہت بری بات ہے، مہمانوں کی مہمان نوازی خندہ پیشانی سے کرنی چاہیے۔" اس نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا کر شرارتی انداز میں کہا۔

"اب تم مجھے ضابطے اور طور طریقے سکھاؤ گی۔" وہ جل کر بولا۔

"اتنی رات کو اس فضول حرکت کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" اذن ابصار کا اشارہ لانگ ڈرائیو پر آنے کی طرف تھا، لہجے میں ہلکی سی تپش بہت نمایاں تھی۔

"بس ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی اور ویسے بھی میرا دل کر رہا تھا باہر گھومنے کو۔" اس نے بہت سادگی سے کہا، بڑی بڑی شفاف شہد رنگ چمکتی آنکھیں اذن ابصار کے چہرے پر جمی تھیں۔

"اپنے دل کو قابو میں رکھا کرو، کبھی کوئی ناقابل رسائی خواہش کر بیٹھا تو ساری عمر سر پہ ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا۔"

"آپ مجھے بد دعا دے رہے ہیں؟" اس نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا، اذن ابصار نے بہت غور سے پہلو میں بیٹھی لڑکی کو دیکھا، وہ بے حد سفید لڑکی مسکرا رہی تھی اس کے گلابی ہونٹ بڑے دلکش انداز میں پھیلے تھے اور مسکراتے ہوئے اس رخسار پر گہرا ہوتا بھنور اسے کوئی بری بنا رہا تھا، سوڈیم لائٹ میں اس کی گوری رنگت اس مدھم روشنی کو شکست دے رہی تھی، اذن ابصار کے غصے پر یکدم ہی جیسے اوس پڑی تھی، اس نے سختی سے لب بھینچ کر خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

وہ کافی دیر تک اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا تھا لیکن اس کی مکمل خاموشی سے اسے بالآخر رخ موڑ کر اسے دیکھنا ہی پڑا، وہ سر جھکائے بے آواز رو رہی تھی۔

اذن ابصار کو سمجھ نہیں آیا کہ اس نے انابت رحیم سے ایسی کیا سخت بات کہہ دی جو وہ یوں رو رہی تھی، اذن ابصار نے گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کی اور قدرے کنارے پر جا کر بریک لگا دی۔

بریک لگتے ہی وہ گاڑی سے باہر نکل گئی، اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی، اذن ابصار بھی کوفت زدہ سا اس کے پیچھے آیا تھا۔

"اگر تمہیں فاسٹ ڈرائیونگ سے ڈر لگتا ہے تو تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔" اذن ابصار بھی قیاس کر پایا تھا کہ شاید تیز رفتار گاڑی دوڑانے کی وجہ سے خوف زدہ ہے۔

"نہیں مجھے فاسٹ ڈرائیونگ سے ڈر نہیں لگتا۔" اس کی غلط فہمی دور کرنا اس نے بھی ضروری سمجھا تھا، اس کی آواز میں رونے کی وجہ سے ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"تو پھر۔" اذن ابصار اس سارے معاملے سے اکتانے لگا تھا۔

"وہ...... مجھے...... مام اور ڈیڈ یاد آ رہے ہیں۔" انابت رحیم نے ہچکچاتے ہوئے اسے بتایا، اذن ابصار کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

''وہ میں گھر میں روتی تو انکل، آنٹی کنزیٰ وغیرہ پریشان ہو جاتے، اس وجہ سے میں نے......'' اس کے غصے کے پیش نظر اس نے فوراً وضاحت دی اور اذن ابصار کو صحیح معنوں میں اندازہ ہوا تھا کہ ابھی وہ کتنی بچی ہے۔

''اور اب یوں میں پریشان نہ ہوتا؟'' اذن ابصار نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''نہیں آپ پریشان نہیں ہوئے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''تو پھر کیا ہوتا؟'' اذن ابصار نے بڑے اطمینان سے سینے پر ہاتھ باندھے، اس کے جوابات کافی دلچسپی کے حامل تھے۔

''آپ غصہ کرتے، جیسے اب کر رہے ہیں۔'' اس نے صاف گوئی کی حد کر دی، بہت بیزاری اور کوفت کے باوجود اس کا موڈ خوشگوار ہونے لگا تھا۔

''ویسے تم تکیے میں منہ چھپا کر بھی تو رو سکتی تھیں ایسی مظلومیت کے دور میں اکثر لڑکیاں تکیے کو ہی سیراب کرتی ہیں۔'' ڈیش بورڈ سے ٹشو نکال کر اسے تھماتے ہوئے اذن ابصار نے قیمتی مشورے سے نوازا۔

''نہیں مجھے تکیے میں رونا نہیں آتا۔'' ناک رگڑتے ہوئے اس نے کہا۔

''اچھا اب چلیں یا کوئی کوٹہ باقی ہے رونے کا؟''

''چلیں میں تو بس......'' وہ خجل سی ہو گئی، واپسی کا پورا راستہ وہ خاموش رہے تھے مگر اذن ابصار اب پہلے کی طرح سنگ نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

تین بجے خود بخود اس کی آنکھ کھل گئی تھی، کمرے کی لائٹ آن تھی وہ ایک ہی جست میں اٹھ کر بیٹھ گئی، دو تین چھینٹے چہرے پر مارنے کے بعد وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی، کنزیٰ اسے لابی میں مل گئی، اس نے چاروں طرف نماز کے اسٹائل میں دوپٹہ لپیٹا ہوا تھا۔

''تم اٹھ گئیں، میں تمہیں ہی بلانے جا رہی تھی۔'' اس دیکھتے ہی اس نے خیر مقدمی مسکراہٹ سے نوازا۔

''ہاں یار، میں تو ایک ایک منٹ گن گن کر سحری کے ٹائم کا انتظار کر رہی ہوں، اتنے سارے لوگ، نوک جھونک اور مسکراہٹیں دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پوری سچائی سے اعتراف کیا۔

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ شروع ہو چکا تھا، اسے صحیح معنوں میں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس گھر میں برکتوں کا نزول شروع ہو چکا ہے، اسے اس گھر کے ہر فرد میں عجیب سی کشش محسوس ہوئی تھی نجانے کیوں اسے ابصار ہاؤس اور اس کے مکینوں سے بہت انسیت ہو چلی تھی۔

''کیوں کہ تم خود بہت اچھی ہو، اس لئے تمہیں ہم بھی اچھے لگتے ہیں۔'' کنزیٰ نے اسے کسی چھوٹے بچے کی طرح پچکارا، تو وہ کھلکھلائی۔

''تم کچن میں چلو میں اذن بھائی کو اٹھانے کی کوشش کرتی ہوں۔'' اس نے انابت رحیم سے کہا، اس نے محسوس کیا تھا کہ اذن ابصار سحری کے بغیر ہی روزہ رکھنے کا عادی تھا، آج چوتھا روزہ تھا اور گزشتہ تین روز میں ایک بار بھی اس نے اذن ابصار کو سحری کے لئے آتے نہیں دیکھا تھا۔

''جیسے تم اٹھاؤ گی ویسے تو کھٹک بھی نہیں اٹھے گی، اتنی آہستہ تو آواز ہے تمہاری اور اذن ابصار کیا خاک اٹھیں گے۔'' اس نے خفیف سا طنز کیا۔

''تو کیا کروں ڈھول بجاؤں کانوں کے پاس۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''آج میں مسٹر اذن کو اٹھاؤں گی اور دیکھنا زندگی بھر یاد رکھیں گے۔'' اس نے ارادہ باندھا۔

''کیا کریں گی آپ محترمہ؟'' اذن ابصار کے کمرے کے قریب جا کر وہ رک گئیں تھیں۔

''تم بس دیکھتی جاؤ۔'' اس نے آنکھ دبا کر معنی خیزی سے کہا۔

''نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی، تمہیں نہیں پتہ، اذن بھائی بہت غصے والے ہیں۔'' اس نے انابت رحیم کو مطلع کیا۔

''ڈونٹ وری، بس یار آج میں تمہیں بتاتی ہوں کہ پانی محض فریج کی زینت بنانے کے لئے نہیں ہوتا بوقت ضرورت اسے استعمال میں بھی لایا جانا چاہیے۔'' وہ ٹھنڈے پانی کا جگ بھر لائی تھی۔

''تم کیا کرنے لگی ہو انا؟'' کنزیٰ جسے اب تک مذاق سمجھ رہی تھی اب سچ مچ خوف زدہ ہو گئی۔

''میں آپ کے اذن بھائی کو سحر خیزی کی عادت ڈلوانے لگی ہوں۔'' انابت رحیم نے بہت معصومیت سے آنکھیں ٹپٹپائیں۔

''انا پلیز۔''

''یار تم جاؤ نا، جو ہو گا میرے ساتھ ہو گا، ویسے تم پریشان مت ہو، انشاء اللہ دس منٹ میں اذن ابصار کچن میں ہوں گے۔'' اس کا ارادہ جیسے مصمم تھا۔

کنزیٰ کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے وہ اذن ابصار کے کمرے میں دبے پاؤں داخل ہو گئی، سر تا پیر کمبل تانے، اسے نی فل کیے وہ مزے سے محو استراحت تھا، وہ جی کڑا کر کے آ تو گئی مگر دل کانپ رہا تھا چند لمحے وہ دم سادھے کھڑی رہی، اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ پیدا ہوئی تھی مگر پھر اس نے تمام جھجک پس پشت ڈال کر تیزی سے کمبل کھینچا اور ٹھنڈے پانی کا پورا جگ اس کے چہرے پر انڈیل دیا۔

اذن ابصار ہڑبڑا کر اٹھا تھا، اس پر جیسے کسی نے سوتے ہوئے بارش کر دی تھی اس کی حسیات بڑی تیزی سے بیدار ہوئی تھیں مگر اس کے اٹھنے سے قبل ہی انابت رحیم کمرے کی دہلیز پار کر چکی تھی، اسے اس غیر معمولی حرکت پر جی بھر کر غصہ آیا تھا، ایک سرد نگاہ اپنے بھیگے بستر اور حلیے پر ڈالتا وہ سلگتا ہوا واش روم میں گھس گیا کہ اب سونے کا کوئی فائدہ نہ تھا، کچھ دیر بعد اسے کچن میں داخل ہوتے دیکھ کر تمام جملہ افراد حیران رہ گئے تھے، گزشتہ کئی برس سے اس کی یہی عادت تھی وہ بغیر سحری کیے روزہ کی نیت باندھ لیتا، انابت رحیم نے بہت فاتحانہ نگاہوں سے کنزیٰ کی طرف دیکھا، اس نے اپنے قول کے مطابق کر دکھایا تھا، اذن ابصار واقعی دس منٹ میں پہنچا تھا۔

''اذن کیا لو گے بیٹا؟'' ردا نے ڈائننگ چیئر پر براجمان ہوتے دیکھ کر خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں مما، بس آپ کو تو پتہ ہے اتنی علی الصبح مجھ سے کچھ نہیں کھایا جاتا۔'' اس نے اپنی عادت بیان کی۔

''اوہ ہمیں تو لگا ہمارے بیٹے کی عادت بدل گئی ہے تو برخوردار آج آپ بیدار کیسے ہو گئے؟'' پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے شہوار ابصار نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''وہ...... بس پاپا...... سب جاگ رہے تھے تو میں بھی اٹھ گیا۔'' اس نے اصل بات بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

انابت رحیم نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا، اب وہ شکن آرام دہ شلوار سوٹ میں ملبوس تھا، کف کہنیوں تک مڑے ہوئے تھے، بکھرے بال اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ انہیں سنوارنے کی کوشش نہیں کی گئی، محض انگلیاں چلا کر کام چلایا گیا ہے، کھڑے کھڑے سے مغرور نقوش کچھ اور دلفریب لگ رہے تھے اور چہرے پہ چھائی سنجیدگی اس کو مزید باوقار ثابت کر رہی تھی، انابت رحیم نے ایک ہارٹ بیٹ بے ساختہ مس کی۔

''چلو اب اٹھ ہی گئے ہو تو ایک گلاس دودھ

ہی پی لو۔'' صبا نے پیار سے کہا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا، وہ تمام جملہ افراد کا جائزہ لے رہا تھا، شہوار ابصار اور ریحان ابصار سحری کے بعد کچن سے نکل چکے تھے، میرب اور کھنک کو صبا زبردستی مزید کھانے پر آمادہ کر رہی تھیں، کنزیٰ برتن سمیٹ رہی تھی، اس نے گہری نگاہوں سے انابت رحیم کا جائزہ لیا، اس کی نگاہوں کی تپش اور توجہ محسوس کر کے وہ بے ساختہ مضطرب ہوئی تھی، جگ پکڑنے کی کوشش میں اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ ہوئی تھی جو اذن ابصار کی عقابی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی تھی، اسے اپنے مشاہدے کا جواب مل چکا تھا، وہ اپنے گھر والوں کے طور طریقوں سے بخوبی واقف تھا، کھنک، میرب یا کنزیٰ میں سے کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا تھا، یہ یقیناً انابت رحیم کی شرارت تھی جس پر مہر اس کے خوف زدہ انداز نے ثبت کی تھی، انابت رحیم کا سانس سینے میں ہی اٹک گیا تھا، وہ دودھ کا گلاس ایک ہی سانس میں چڑھا گیا اور دل ہی دل میں اس کی کلاس لینے کا ارادہ باندھتا وہ کچن کی دہلیز پار گیا، اس کے نکلتے ہی انابت رحیم کی رکی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

☆☆☆

اذن ابصار بہت تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوا، اسے ردا نے کسی ضروری کام کے سلسلے میں بلوایا تھا، مگر اندر کے منظر نے اسے ایک پل کے لئے شدید خفت کا شکار کر دیا تھا۔

انابت رحیم ایک لڑکی کی گود میں سر رکھ کر لیٹی تھی، دو لڑکیاں فلور کشن پر بیٹھی چپس سے بھرپور انصاف کرنے میں مصروف تھیں، جبکہ ایک صوفے پر آڑھی ترچھی لیٹی تھی، اذن ابصار جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چلا گیا۔

بلیک ٹو پیس میں ملبوس اذن ابصار ان پر قاتلانہ وار کرتے ہوئے جا چکا تھا۔

''یہ کون تھا؟'' عاشی نے بہت اشتیاق سے پوچھا۔

''نویان بھائی سے چھوٹے ہیں اذن ابصار۔'' اس نے مختصر تعارف کروایا۔

''کیا زبردست چیز ہے یار۔'' روبی نے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے بہت رومانوی انداز میں کہا، انابت رحیم تائیدی انداز میں مسکرائی۔

''نہیں انگیجڈ ہیں یا ابھی ہمارے لئے کنوارے بیٹھے ہیں۔'' رمل نے اک ادا سے کہا تو عاشی اور روبی کا بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔

''پتہ نہیں...... میں نے کبھی انٹرسٹ نہیں لیا۔'' انابت رحیم نے لاپروائی سے کہا۔

''اف...... تیرے گھر میں پرنس آف ویلز ہے اور تجھے اس کے بارے میں پتہ نہیں۔'' رمل کو تو گویا صدمے سے غش آنے والی تھی۔

''وٹس رونگ ود یو رمل، تم کیوں ان کے پیچھے پڑ گئی ہو۔'' اس نے چڑ کر کہا۔

''اوں ہوں...... ان کے۔'' عاشی نے پورے جملے میں سے اپنے کام کا لفظ پکڑا اور انابت رحیم جل سی ہو گئی۔

''بتاؤ کیا سین ہے؟'' روبی نے معنی خیزی سے کہا۔

''کیا مطلب؟ سین؟'' انابت رحیم نے ابرو دیکھیڑے۔

''تمہارا اور ان کا۔'' رمل نے بھنویں اچکائیں۔

''اذن ابصار...... جانے دو یار کیوں مروانا ہے۔'' اسے خوف سے جھرجھری سی آ گئی۔

''زیادہ معصوم بننے کی ایکٹنگ مت کرو۔'' انہیں یقین نہ آیا اور اب کڑے تیور لئے اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''قسم لے لو یار، مجھے دیکھ کر تو یوں غائب ہوتے ہیں جناب جیسے گدھے کے سر سے سینگ، سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے مجھ سے۔'' اس

نے فوراً سچ اگلا۔

''یہ کوئی بڑی بات نہیں انا، یہ سب لڑکیوں کو امپریس کرنے کے لڑکوں کے فارمولے ہیں۔'' رمل نے شان بے نیازی سے کہا۔

''اکڑ دکھا کر پہلے خود کو لاپرواہ شو کرتے ہیں، بعد میں دم چھلا بنے گھوم رہے ہوتے ہیں۔'' رمل نے اپنی ماہرانہ رائے پیش کی۔

''ویسے انا یار جتنی تم خوبصورت ہو، موصوف دل ہی دل خواہش تو ضرور رکھتے ہوئے بس اقرار سے ڈرتے ہیں۔'' روبی نے لقمہ دیا۔

''نہیں مجھے ایسا نہیں لگتا۔'' انابت رحیم نے فوراً تردیدی بیان جاری رکھا۔

''ٹھیک ہے پھر تو میرا چانس لگ سکتا ہے۔'' عاشی نے قدرے ترسے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ تینوں ہی مسکرا دیں۔

''نہیں ہیں وہ ایسے، تو انہیں اپنا بنا لو انا میڈم، ان پر راستہ تنگ کر دو، انہیں چاروں شانے چت کر دو۔'' روبی نے مشورے سے نوازا۔

''نہیں یہ مناسب نہیں۔'' وہ ہچکچائی۔

''کم آن وہ یقیناً تمہارے ہی سگنل کے انتظار میں ہیں ادھر تو لفٹ دکھاؤ ادھر موصوف آپ کے قدموں میں ڈھیر ہوں گے۔'' رمل نے چٹکیوں میں بات اڑائی۔

''یار جتنے وہ خوبصورت ہیں، فی الحال تو میرا دل ان کے قدموں میں ڈھیر ہونے کو مچل رہا ہے۔'' عاشی کی رگ محبت پھر پھڑکی تھی۔

''یار اذن ابصار تو تمہارے ہوئے، چلو ہم نے قربانی دے دی اپنا پیار تمہارے حوالے کر کے۔'' عاشی نے معصوم سی شکل بنا کر لہجے میں بیچارگی سمو کر کہا۔

''کیا ان کا کوئی اور بھائی ہے؟'' اس کے لہجے میں بڑی شریری آس تھی۔

''ہاں ہیں۔'' انابت نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔

''واہ پھر تو کرا دو سیٹنگ۔'' عاشی نے خوشی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے کہا۔

''لیکن وہ نکاح شدہ ہیں۔'' انابت رحیم نے اس کے ارمانوں پر اوس گرائی، اس کا لٹکتا چہرہ دیکھ کر وہ تینوں بے ساختہ کھلکھلائی تھیں کچھ ہی دیر بعد عاشی کی ہنسی کی گونج بھی ان کے قہقہوں میں شامل تھی۔

☆☆☆

سورج کی کرنیں الوداع کہتی ہوئی دیواروں سے ڈھل رہی تھیں جب اذن ابصار آفس سے لوٹا تھا، ردا اور صبا نے سختی سے انہیں افطاری سے قبل لوٹ آنے کی تنبیہ کی تھی لہٰذا وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے، اذن ابصار فریش ہونے کی غرض سے اپنے کمرے میں آیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر بیڈ کے وسط میں پڑے ایک بے حد خوبصورت بوکے اور اس کے نیچے رکھے کارڈ پر پڑی، اس نے فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر کارڈ اٹھایا، اس پر سنہری رنگ سے ''فار مائی لو'' کے الفاظ درج تھے، اس نے اندر سے کھول کر تحریر پر نظر دوڑائی تو غصے کی شدید لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی، انابت رحیم نے اپنی محبت کا اظہار بہت رومانوی انداز میں کیا تھا اور آخر میں درج یہ الفاظ۔

''صرف اور صرف آپ کی انابت رحیم۔''

اذن ابصار کے غصے کو ہوا دینے کے لئے کافی تھے، قدرے تپے ہوئے انداز میں اس نے لب بھینچے اور کارڈ واپس بیڈ پر اچھال دیا، اسے انابت رحیم سے اس قدر گھٹیا اور بے باک حرکت کی امید نہ تھی۔

وہ پہلے بھی اس کی حرکت نظر انداز کر گیا تھا مگر اب ضبط محال تھا، اس کا خون صحیح معنوں میں رگوں میں ابلنے لگا تھا، اس کا دل چاہا تھا ایک دفعہ

زبردست طریقے سے انابت رقیم کی طبیعت صاف کر دے، وہ بہت تپا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا، اس کی شاید قسمت خراب تھی جو وہ اسے سیڑھیاں پھلانگتی راستے میں ہی مل گئی تھی، اذن ابصار نے بہت اشتعال سے اس کا بازو دبوچا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے اسے اپنے کمرے میں لے آیا۔

وہ اس اچانک افتاد کے لئے تیار نہ تھی لہٰذا احتجاج بھی نہ کر پائی، درد کی ایک شدید لہر اس کے وجود کے آر پار ہوئی تھی، جس مضبوطی سے اذن ابصار نے اس کا بازو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا، اسے لگا تھا جیسے ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں، انابت رقیم کو اس نے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا، وہ بہت مشکل سے تو اذن برقرار رکھ پائی تھی۔

''اس گھٹیا حرکت کا مقصد؟'' کڑے تیور لئے وہ اس پر برس پڑا۔

''آپ کو نہیں پتہ؟'' اس نے معصومیت کی حد کر دی۔

''کمال ہیں آپ مس انابت رقیم، اتنی گھٹیا حرکت کرنے باوجود کوئی ندامت نہیں آپ کو اپنے کیے پر۔'' اس کے اطمینان پر اذن ابصار نے سلگ کر طنز کا وار کیا۔

''اس میں برائی ہی کیا ہے؟ اگر میں آپ کو پسند کرتی ہوں تو اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' انابت رقیم نے گویا اذن ابصار کو سمجھانا چاہا، اس کے تاثرات یکدم سختی اختیار کر گئے تھے، ایک تند و تیز نظر اس کے بے باک سراپے پر ڈال کر وہ خود ساختہ پچھتایا تھا گھٹنوں سے ذرا نیچے تک آتا ٹراؤزر اور اسکن ٹائٹ شرٹ میں ڈیپ گلے کے ساتھ وہ کوئی ماڈل ہی لگ رہی تھی، اس کے دل میں نفرت کی جڑیں مزید گہری ہوئی تھیں۔

''جہاں سے تم آئی ہو وہاں ان باتوں کو معمولی گردانا جاتا ہو گا مگر یہاں یہ سب بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔'' اس نے دبے دبے مگر پرتپش لہجے میں کہا۔

''جہاں سے میں آئی وہاں بھی انسان بستے ہیں، بار بار یہ طعنہ دے کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟'' اسے ناگوار گزرا تھا اس کا گزشتہ حوالہ دینا۔

''میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتا تمہارا وجود ہی تمہارے پس منظر کا ثبوت ہے۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا، وہ تڑپ کر اس کے سامنے آئی تھی۔

''جیسی آپ کی پرسنالٹی ہے آپ کو یہ ٹیپیکل مردوں والی سوچ بالکل سوٹ نہیں کرتی، آپ کو تو بہت براڈ مائنڈڈ ہونا چاہیے۔'' اس نے اپنا خیال پیش کیا، وہ اسے تنگ نظر کہہ رہی تھی اس کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا، وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

''تم خود کیا ہو، اپنی حدود و قیود سے واقف ہو، جو مجھ پر رائے دہی کر رہی ہو۔'' وہ تنک کر بولا۔

''غصہ کس بات پر ہے آپ کو، آئی لو کہہ پسند تو آپ بھی مجھے کرتے ہیں۔'' اس نے روبی کی قیاس آرائی من و عن اذن ابصار تک پہنچائی، اس کا جی چاہا تھا اس لڑکی کو دھنک کر رکھ دے۔

''کچھ شرم لحاظ ہے تم میں یا نہیں، کس حق سے تم یہ سب کہہ رہی ہو، کیا عہد و پیماں باندھے ہیں میں نے تم سے جو تم خوش فہمی کا شکار ہو رہی ہو، دلچسپی تو میں نے پہلے بھی کبھی تم میں نہیں لی اور اب تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' اس نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر کھری کھری سنائیں۔

''آپ یوں بھڑک رہے ہیں جیسے نجانے میں نے کیا گناہ کبیرہ کر دیا ہے، ایک اظہار محبت ہی تو کیا ہے اور ویسے بھی رائے دہی حق تو عورت کو اسلام نے بھی دیا ہے۔'' اپنے تئیں اس نے بہت سمجھداری کا کام کیا تھا، وہ چڑ کر بولی، اب تو

اپنی تذلیل وہ بہت برداشت سے سن رہی تھی، وہ مڑی اور تیزی سے اس کے پہلو سے نکل جانا چاہا۔

اذن ابصار نے اسی تیزی سے دونوں شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا تھا۔

''میں تم سے کوئی تلخ بات کہنا نہیں چاہتا تھا مگر تمہیں عزت راس نہیں آتی، اسلام نے رائے دہی حق دیا ہے نامحرم مرد سے کھلے عام عشق و معاشقے کا نہیں اپنی نادر معلومات میں اضافہ کر لو، پہلے بھی تمہاری نامعقول حرکات محض میزبان بن کر برداشت کی ہیں، اب تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا۔'' اس کی آنکھیں تپش برسا رہی تھیں وہ نجانے کیوں جلنے لگی تھی۔

''اور مجھ سے محبت کر کے تم نے کوئی معرکہ سرانجام نہیں دیا یہ اعجاز صرف مرد کو حاصل ہے کہ وہ اپنی محبت سے عورت کو سنوار دے نا کہ عورت کو حاصل ہے کہ کھلے عام منادی کرتی پھرے، اپنی مغربی اور پست سوچ کو مجھ پر لاگو کرنے کی کوشش مت کرنا، یہ حسن کے مظاہرے کسی اور کو دکھا کر متاثر کرنا، اگر تم دنیا کی آخری لڑکی بھی ہوتی تو اذن ابصار پھر بھی تمہیں منتخب نہیں کرے گا۔'' آنچ دیتے مدھم لہجے میں کھولتے ہوئے اس نے اسے پرے دھکیلا، وہ اجنبیت سے بھرپور لہجے میں غرایا، وہ بے توازن ہو کر بیڈ پر گری تھی، شولڈر کٹ سیاہ بال چہرے پر بکھر کر گویا چاند کو بادلوں کی اوٹ میں لے گئے۔

اذن ابصار نے اسے آئینہ دکھانے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔

''اٹھاؤ یہ سب اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ مزید بھڑکا، انابت رقیم کی زبان تالو سے چمٹ کر رہ گئی، اہانت کے احساس سے پلکیں بھیگنے کو بے تاب تھیں تو گلابی چہرہ سرخ ہو رہا تھا، اس نے آہستگی سے بکھرے بال پیچھے کیے آنکھیں بدستور جھکی تھیں، لرزتی پلکیں آنسوؤں کے سیلاب کو روک نہیں پائی تھیں۔

یہ سچ تھا کہ اس حرکت میں اس کی مرضی رتی برابر بھی شامل نہ تھی، یہ سب روبی، اہل اور عاشی کا پلان تھا، کارڈ تک عاشی نے لکھا تھا وہ تو محض ایک کردار کے طور پر پیش کر دی گئی، اذن ابصار کے تلخ رویے اور ہتک آمیز الفاظ پر اس کا جی چاہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے اذن ابصار کی نظروں میں انابت رقیم کا گراف کچھ اور نیچے گرا تھا۔

ایک سرد نگاہ اس کے پژمردہ وجود پر ڈالتا وہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا جبکہ انابت رقیم اپنے بے جان ہوتے قدموں کو دھکیلتی دروازے کی طرف بڑھ گئی، ان تینوں کی بات مان کر اس نے بہت بڑی غلطی کی تھی، اس کا احساس اسے گزرے چند لمحوں نے کروا دیا تھا۔

صد شکر کہ سب لوگ افطاری کی تیاریوں میں مگن تھے کسی کو بھی ممکنہ کاروائی کا اندازہ نہ ہو سکا تھا، اپنے کمرے میں آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

''آپ کو ایک دفعہ اذن سے تو بات کرنی چاہیے تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے؟'' روا نے جھجکتے ہوئے شہوار ابصار سے کہا، تو انہوں نے بے ساختہ اپنے روبرو بیٹھے اذن ابصار کو دیکھا، جس کے چہرے پر الجھن تھی۔

''مجھے نہیں لگتا کہ میرے بیٹے کو میرے فیصلے سے اختلاف ہو گا۔'' ان کے لہجے میں مان تھا۔

''جی پاپا، آپ کی کسی بات کی مخالفت کرنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے بات کے پس منظر جانے بغیر انہیں یقین دلایا تو شہوار

ابصار کا سیروں خون بڑھ گیا۔

''دیکھا ردا! یہ شہوار ابصار کا خون ہے، جس میں ادب اور وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔'' ان کا سینہ فخر سے تن گیا اور اذن ابصار خوش تھا کہ وہ ان کا فخر تھا۔

''اب اسے بتا بھی دیں کہ بات کیا ہے۔'' ردا نے قدرے پراسرار انداز میں کہا، اذن ابصار چونک اٹھا۔

''صبح رحیم کا فون آیا تھا۔'' انہوں نے بات کا آغاز کیا، وہ خاموشی سے ان کی اگلی بات کا انتظار کررہا تھا۔

''جوان کا ماحول ہے تم بہتر سمجھتے ہو، آئے دن ایسے وڈیروں اور جاگیرداروں سے تمہارا واسطہ پڑتا ہے۔'' انہوں نے تمہید باندھی، وہ اب بھی چپ تھا۔

''چوہدری کریم حاشر کے علم میں آچکا ہے کہ انابت پاکستان ہے وہ اسے واپس حویلی بلانا چاہتے ہیں۔''

''تو اس میں غلط کیا ہے پاپا، آخر تو اسے یہاں سے جانا ہی تھا، پرابلم کیا ہے۔'' اس نے لب کشائی کی۔

''پرابلم یہ ہے کہ وہاں وہ اس کی شادی کر دیں گے۔'' ان کی آواز مدھم تھی، اذن ابصار نے الجھ کر شہوار ابصار کو دیکھا۔

''پرابلم یہ ہے کہ حویلی جانے کی صورت میں اس کی شادی ایسے شخص سے کردی جائے گی جو اس سے بائیس برس بڑا ہے جو چار بچوں کا باپ ہے، دوسری آپشن ایک چھ سال کا بچہ ہے۔'' ان کے لہجے میں گہرا دکھ تھا، تفصیلات جان کر اسے خود بھی صدمہ پہنچا تھا مگر ایسے بہت سے کیسز سے واقف تھا۔

''تو ان سب باتوں کا ہمارے ساتھ کیا تعلق؟'' بالآخر شہوار ابصار اسے مطلوبہ موضوع تک لے ہی آئے تھے۔

''بیٹے رحیم چاہتا ہے کہ انا بیٹی کی شادی تم سے کردی جائے، وہ اپنی بیٹی کو اس ظلم سے بچانا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش کچھ غلط بھی نہیں ہر باپ کو حق ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے مستقبل کو محفوظ کر سکے، رحیم نے مجھ سے مدد مانگی تو میں انکار نہیں کر سکا اور اگر اقرار کیا تو صرف اس لئے کہ مجھے تم پہ اعتماد تھا، میرے فیصلے تمہاری فرمانبرداری کی وجہ سے ہیں اذن اور تم نے ثابت کیا ہے کہ میرا تم پر مان غلط نہیں۔'' ان کے لہجے میں انوکھی خوشی تھی اب انکار کی گنجائش کہاں تھی، تمام معاملات تو طے تھے۔

''پاپا ہم اس کی شادی کسی اور جگہ بھی تو کر سکتے ہیں۔'' بہت سوچ کر اس نے کہا، وہ مانتا تھا کہ انابت رحیم کے ساتھ غلط ہو رہا ہے مگر وہ خود قربانی دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

''تو تم انکار کررہے ہو؟'' ان کے لہجے میں اشتعال در آیا تھا، اذن ابصار نے بے ساختہ مدد طلب نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

''اذن ٹھیک کہہ رہا ہے ہم کسی اچھی فیملی میں اس کا رشتہ کر سکتے ہیں، پھر میں ثانیہ کو کیا جواب دوں گی، حیا کو ہمیشہ میں نے اپنی بہو کے روپ میں دیکھا ہے۔'' ردا نے اپنی پریشانی ظاہر کی۔

''کمال کرتی ہیں ردا آپ بھی، اس نے ہم سے مدد مانگی ہے اور میں اسے دوسرا در دکھا دیتا ہوں، چلیں ایک لمحے کے لئے میں آپ کی بات مان لیتا ہوں تو اتنی جلدی اچھی فیملی اور لڑکا میں کہاں سے تلاش کروں اگر وہ مل بھی جاتے ہیں تو اتنی جلدی نکاح یا شادی کی کیا توجیح پیش کروں گا اور حالات جاننے کے بعد انہوں نے انا کو سپورٹ کرنے سے انکار کر دیا تو اسے واپس وہیں جانا پڑے گا، اس سارے مسئلے کو طول دینے کا پھر فائدہ؟'' انہوں نے تفصیل سے جواب دے کر ردا کو قائل کرنا چاہا۔

''لیکن میں ہی کیوں پاپا؟'' وہ جھنجلایا۔

''تو کیا نوبان ہوگا، جو نکاح شدہ ہے یا میرب ہوگا جو اس سے ڈیڑھ دو سال چھوٹا ہے۔'' شہوار ابصار نے تیکھے انداز میں پوچھا، وہ لب کچل کر رہ گیا، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اپنی الجھن کیسے بیان کرے، اپنے حق میں کیسے لڑے، اتنا بڑا کالم نگار اور کثیر تعداد میں شائع ہونے والے ماہنامے کے ایڈیٹر کے پاس اپنے محاذ پر لڑنے کے لئے نہ تو دلائل تھے نہ الفاظ، شہوار ابصار کے وہ ہمیشہ قریب رہا تھا، وہ ان سے اپنی بات بہت مان و محبت سے منوالیا کرتا تھا، اب ان کے فیصلے کو رد کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا، عجیب کیفیت تھی وہ بری طرح الجھا تھا، کوئی راہ فرار نہ تھی، انابت رحیم تو وبال جان بن گئی تھی۔

''تو پھر میں اس خاموشی کا کیا مطلب سمجھوں؟'' اب کی بار ان کا یقین ڈولنے لگا تھا، اذن ابصار تڑپ اٹھا تھا۔

''آپ نے اگر کوئی وعدہ کیا ہے تو میں اسے ضرور پورا کروں گا۔''

''میں آپ کو بھی ناراض نہیں کر سکتا پاپا؟'' نجانے یہ الفاظ کیسے اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے، اس نے اپنے دل کی ہر خواہش دفن کر دی، اپنے والدین کی بقاء کے لئے ان کے مان کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی تمناؤں سے دستبردار ہو گیا اور ایسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کرلیا جس کا ذکر تک اسے پسند نہیں تھا۔

''آئم پراؤڈ آف یو مائی سن (مجھے تم پر فخر ہے میرے بیٹے)۔'' شہوار ابصار نے اسے بہت پرجوش انداز میں سینے سے لگایا، ان کی آواز سے چھلکتی خوشیوں کی نوید نے اس کی ہمت بندھائی تھی، ان کے مان اور وقار کو قائم رکھنے کے لئے اس نے خود اپنی ذات داؤ پر لگائی تھی۔

''ایکسکیوزمی پاپا! مجھے کچھ کام ہے۔'' ان سے الگ ہوتے اس نے تیزی سے کہا، ردا نے اس کے فرار کی بخوبی محسوس کیا تھا، زیرہ زیرہ ہوتے جذبات کو چھپاتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

انابت رحیم صوفے پر پاؤں رکھ کر آلتی پالتی مار کر کافی ایزی ہو کر بیٹھی تھی، تھکاوٹ کا احساس جیسے روم روم میں اتر آیا تھا، اس نے آنکھیں موند کر سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا، دن بھر شاپنگ کرنے کے بعد، اب چلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، وہ یونہی نجانے کتنی دیر لیٹی رہی جب کنزئی نے اسے رحیم حاشر کے فون کی اطلاع دی، انابت رحیم نے تیر کی طرح کمرے کا رخ کیا۔

''ہیلو پاپا! کیسے ہیں آپ؟ اتنے دنوں بعد کال کی ہے، میں کتنا اداس ہوگئی ہوں کچھ پتہ ہے آپ کو اور مما کہاں ہیں؟ وہ کیسی ہیں؟'' اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے، اس کے لب و لہجے سے عجیب بے کلی ظاہر ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، میرا بچہ کیسا ہے اور پاپا سے اتنے سارے سوال ایک ساتھ۔'' دوسری طرف رحیم حاشر کی شہد کی طرح میٹھی آواز نے بہت تیزی سے اس کی آنکھوں میں نمکین پانی جمع کیا تھا۔

''آپ کی مما بھی ٹھیک ہیں اور میرے ساتھ ہیں، اچھا میرا بچہ اداس کیوں ہے، کیا شہوار انکل اور ان کی فیملی آپ کو پسند نہیں آئی، آپ بور ہو رہی ہو؟'' ان کے لہجے سے بے تابی چھلک رہی ہیں۔

''نو پاپا ایسی کوئی بات نہیں، انکل اور ان کی پوری فیملی بہت نائس ہے، مجھے وقت گزرنے کا

احساس ہی نہیں رہتا۔'' اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے پوری سچائی سے اعتراف کیا۔

''انا!''

''جی پاپا۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''بیٹا میری بات غور سے سنو۔'' ان کی آواز محتاط لگ رہی تھی، اس نے چونک کر ریسیور دیکھا۔

''کل آپ کا اذن کے ساتھ نکاح ہے، میں آنے کی بھرپور کوشش کروں گا، لیکن اگر میں نہ آسکا تو آپ پریشان مت ہونا، آپ کے انکل کو میں نے سب باتیں سمجھا دی ہیں، آپ ان کی باتیں مان لینا اور انہیں تنگ مت کرنا۔'' وہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی، اس کا پورا وجود ایک لمحے میں گھوم گیا تھا۔

''لیکن پاپا...... اتنی اچانک...... مطلب آپ کے بغیر۔'' وہ بے ربط سی بولی، اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیا کہے۔

''انا میں جو کچھ کر رہا ہوں بیٹا آپ کی خوشی کی خاطر کر رہا ہوں، پاپا بھی اپنی انا کے لئے برا سوچ سکتے ہیں۔'' وہ خاموش رہی کیونکہ وہ جانتی تھی یہ سوال نہیں تھا۔

''یہ لو اپنی مما سے بات کرو۔'' انہوں نے ریسیور ارم کو تھمایا، ارم نے بس اسے دو چار ہدایت جاری کی تھیں جو اس نے خالی الذہنی سے سنیں۔

''کل مما اور پاپا اپنی انا سے ملیں گے، انشاء اللہ اپنا بہت سارا خیال رکھنا اللہ حافظ۔'' بہ عجلت کہہ کر انہوں نے کال ڈسکنکٹ کر دی، ریسیور رکھ کر وہ مڑی تو اپنی پشت پر اذن ابصار کو دیکھ کر اس کا دل نجانے کیوں اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا تھا اور جن نظروں سے اس نے انابت رقیم کو دیکھا اسے لگا وہ ریت بن کر بکھر جائے گی دوسرے ہی لمحے وہ بہت تیزی سے اس کی سائیڈ سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

''اف انا...... اب تمہیں بھابھی کہنا پڑے گا۔'' میرب کو جیسے غش آ گیا۔

''ادب کرو، عمر میں تو پہلے ہی میں تم سے بڑی ہوں اب رتبے میں بھی ہونے والی ہوں۔'' اندرونی اضطراب پر پا بو پاتے ہوئے اس نے بدقت تمام مسکرا کر کہا۔

''ویسے تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے۔'' اس نے مصنوعی مسکینیت چہرے پر طاری کی۔

''کیا بے وفائی کی ہے میں نے؟'' اس نے ٹھٹھک کر پوچھا۔

''میرے معصوم دل کا خون کیا ہے، میرے ارمانوں کو اپنی بے وفائی تلے کچلا ہے۔'' ایک جذب سے کہتے ہوئے اس نے انابت رقیم کو آنکھ ماری۔

''اف کتنے بدلحاظ اور بدتمیز ہو تم میرب، شرم نہیں آتی اپنی عمر سے بڑی لڑکی پر لائن مار رہے ہو۔'' اس نے تپ کر کہا۔

''اوہو، ڈیڑھ دو سال کوئی ایج گیپ نہیں ہوتا، اب تم ایسی بھی دادی اماں نہیں ہو۔'' وہ اپنے موقف پر قائم تھا۔

''تم آج سچ مچ مجھ سے مار کھاؤ گے۔'' انابت رقیم کو صحیح معنوں میں غصہ آیا تھا۔

''اونہہ ہلو مت انا دیکھو مہندی کا ڈیزائن خراب ہو جائے گا۔'' کنزیٰ جو اس کے پیروں اور ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی، نے فوراً خبردار کیا، تو وہ دانت کچکچاتی واپس سیدھی ہوئی۔

''سوری یار، اب تو تم رتبے میں بڑی ہونے والی ہو اس لئے لاسٹ ٹائم مذاق کر رہا ہوں، ورنہ تم مجھے کھنک کی طرح ہی عزیز ہو، بے

شک تھوڑا سا میں تم سے چھوٹا ہوں لیکن تم نے وہ محاورے نہیں سنا کہ بھائی ہمیشہ بڑے ہی ہوتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے پہلو میں آ بیٹھا تو انابت رقیم کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔

''میرا کوئی بھائی نہیں ہے میرب، لیکن اگر ہوتا تو بالکل تمہارے جیسے ہوتا۔'' اتنے خوبصورت رشتے قدرت نے بن مانگے اس کی جھولی میں ڈالے تھے ایک دم ہی وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی تھی۔

''چاند نظر آ گیا...... چاند نظر آ گیا۔'' کھنک چلاتی ہوئی ہو چھت سے نیچے آئی۔

''کل عید ہے اپیا۔'' اس نے اطلاع دی۔

''اپیا چلیں نا ہم چاند دیکھتے ہیں۔''

''ہاں چلو، بس یہ تھوڑی سی مہندی مکمل کر لوں۔'' کنزیٰ نے کہا۔

''میرب تم چلو نا، اپیا بعد میں آ جائیں گی۔'' اس نے بچوں کی طرح ضد کی۔

''اف، کھنک میرے نہ دیکھنے سے عید کینسل تھوڑا ہی ہو جائے گی۔'' وہ اٹھتے ہوئے بات کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

''لو یہ ہو گیا فائنل ٹچ، اب میں بھی جا رہی ہوں چاند دیکھنے۔'' بچی ہوئی مہندی ٹیبل پر رکھ کر کنزیٰ نے کہا۔

''مجھے بھی چاند دیکھنا ہے۔'' انابت رقیم نے خواہش ظاہر کی۔

''خبردار جو تم یہاں سے ایک انچ بھی ہلی، ساری مہندی اور میری دو گھنٹے کی محنت ضائع ہو جائے گی۔'' کنزیٰ نے آنکھیں دکھائیں۔

''ہاں ایک حل ہے۔''

''کیا؟'' انابت رقیم نے بے تابی سے پوچھا۔

''اگر اذن بھائی راضی ہو جائیں تو وہ تمہیں اٹھا کر چاند دکھا سکتے ہیں۔'' اس نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا تو اتنے اچانک حملے پر وہ خفت سے سرخ پڑنے لگی۔

''شرم کرو، ابھی نویان بھائی کو بتاتی ہوں کہ آپ کی بیوی اتنی بھولی نہیں ہیں جتنی آپ سمجھتے ہیں۔'' اس نے پیچھے ہٹتے دھمکی دی۔

''ہائے ہمارے ایسے نصیب کہاں۔'' وہ مصنوعی درد سے بلبلائی تو انابت رقیم بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔

☆☆☆

شہوار ابصار چاہتے تھے کہ اذن ابصار کے ولیمے کی تقریب کے ساتھ ہی نویان ابصار کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں لیکن ان دونوں نے ہی اس بات سے انکار کر دیا، بقول کنزیٰ وہ اپنے بھائی اور دوست کی شادی انجوائے کرنا چاہتی تھی جو دلہن بننے کی صورت میں بھی نہ کر پاتی۔

لہٰذا چونکہ اگلے دن عید تھی لہٰذا اس دن اذن ابصار اور انابت رقیم کا نکاح ہونے طے پایا، اگلے دن بہت جلدی اور افراتفری کے باوجود ردا نے اس کے لئے ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کر ڈالی، تمام قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو شہوار ابصار مدعو کر چکے تھے۔

مرد حضرات عید نماز سے فارغ ہو کر آئے تو کنزیٰ اور کھنک نے انہیں گھیر لیا۔

''عیدی نکالیں اذن بھائی۔'' کنزیٰ نے ہتھیلی پھیلائی۔

''یار میں اپنا والٹ گھر ہی بھول گیا تھا میں لے کر آتا ہوں۔'' اس نے اسے تنگ کرنا چاہا۔

''کوئی بہانہ نہیں چلے گا، جلدی سے دیں یہ ہمارا حق ہے۔'' کھنک نے چہک کر کہا۔

''اب دے بھی دیں اذن بھائی۔'' اسے پاکٹ ٹٹولتے دیکھ کر کنزیٰ جھنجھلائی۔

''تم میرے پیچھے کیوں پڑی ہو، جاؤ اپنے

شوہر نامدار سے ساری عیدیاں وصول کرو۔" کنزئی جو بہت شوق سے کھڑی تھی اتنے غیر متوقع جملے پر شپٹا کر رہ گئی۔

"اوہ...... ہم تو ہر حساب بے باق کرنے پر تیار ہیں محترمہ مانیں تو سہی۔" نویان ابصار نے نجانے کہاں سے سر نکال کر جملہ پھینکا تھا، کنزئی نے وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی۔

"رکو کہاں جا رہی ہو، میں تو مذاق کر رہا تھا۔" اذن ابصار نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا۔

"یہ لو یہ تمہارے لئے اور یہ میری گڑیا کھنک کے لئے۔" اس نے چند ہرے ہرے نوٹ اسے اور کھنک کو تھمائے، کھنک خوشی سے نعرے لگاتی ہوئے باہر نکل گئی۔

"لیں جناب اپنی امانت سنبھالیں، ہم تو چلے۔" کنزئی کو عین نویان کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے اس نے گویا بھائی اور دوست ہونے کا فرض نبھایا۔

"ابھی وقت نہیں آیا اذن بھائی، ایا نتیں اتنی آسانی سے نہیں مل جاتیں۔" بہت پھرتی سے وہ لاؤنج سے باہر نکلی تھی لیکن جاتے ہوئے جواب دینا نہیں بھولی تھی، اس نے شرارت سے نویان کی طرف وکٹری کا نشان بنایا جو مصنوعی خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

"کافی شارپ ہو گئی ہے یار۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"اب ہر کوئی تمہاری طرح گھامڑ ہی تھوڑی رہتا ہے۔" اذن ابصار نے جواباً پر مزاح انداز میں کہا تو نویان کا قہقہہ لاؤنج میں گونج اٹھا۔

☆☆☆

بیوٹیشن نے اسے ابصار ہاؤس آ کر تیار کیا تھا، میرون لہنگا جس پر ڈل گولڈن کام ہوا تھا اس کے متناسب سراپے پر خوب جچ رہا تھا، ہم رنگ جیولری پہنے اور میک اپ سے چمکتے چہرے کے ساتھ اس پر نظریں ٹھہر نہیں رہی تھیں، ردا نے بے ساختہ کالا ٹیکہ اس کے کان کے پیچھے لگایا۔

قبول و ایجاب کا مرحلہ طے پایا، مبارک سلامت کا شور اٹھا اور وہ چند لمحوں میں انابت رقیم سے انابت اذن ابصار بن گئی، اس کا دل نجانے کیوں بھرنے لگا تھا، ارم اور رقیم حاشر کی کی دل میں سوئیاں چبھونے لگی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد اسے اذن ابصار کے پہلو میں لا کر بٹھا دیا گیا، سوتیا کلر کے راجستھانی شلوار سوٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح سحر طاری کر رہا تھا، اس کے اتنے قریب بیٹھنے پر انابت رقیم کا دل جیسے سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھا، دھڑکنوں نے الگ شور مچایا تھا، پلکیں لرز لرز کر بے حال تھیں تو پیشانی عرق آلود ہو چکی تھی، اس کے پہلو میں بیٹھی وہ کسی سلطنت کی شہزادی لگ رہی تھی، لوگ ان کی جوڑی کو آئیڈیل کپل قرار دے رہے تھے، کتنی ہی توصیفی نگاہیں اور توصیفی جملے اس نے سنے تھے۔

ہر ایک نے ان کو سراہا تھا، لیکن اذن ابصار نے ایک نگاہ بھول کر بھی اس پر ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا، دیکھ لیتا تو شاید اپنا ہر اختلاف بھلا دیتا، میرب اور نویان کے کیمرے کھٹا کھٹ اس خوبصورت منظر کو قید کرنے میں مصروف تھے۔

رات گئے تک رسم و رواج کا سلسلہ جاری رہا، اذن کو ایمرجنسی میں آفس جانا پڑا تھا وہ تو پہلے ہی جان چھڑا رہا تھا یوں یہ بہانہ کام آ گیا اور وہ کسی کی سنے بغیر آفس چلا گیا، رات کے آخری پہر کہیں اسے کمر سیدھی کرنے کا موقع ملا، وہ فریش ہو کر بڑی فرصت سے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی، کمر اور اعصاب نجانے کیوں ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے، کئی گھنٹوں سے وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہی تھی، اس نے خالی خالی نظروں سے اپنے مہندی رچے ہاتھوں کو دیکھا، بہت ہی خوبصورت رنگ آیا تھا، اس کے سفید ہاتھوں نے حنائی رنگ اختیار کر کے اس کو عجب سا حسن عطا کر دیا تھا۔

آنسوؤں کے گرم گرم قطرے جنہیں وہ صبح سے پیچھے دھکیل رہی تھی اب رخسار بھگونے لگے۔

"یہ کیسی شادی ہے پاپا، آپ کے اور ماما کے بغیر۔" اس کے اندر ہی اندر درد کا شدید احساس ہچکولے لے رہا تھا۔

"ایک بوجھ کی طرح اتار پھینکا مجھے، کیسے انتہا کی ہو گی آپ نے انکل سے؟ کہ وہ مجھے اپنا لیں، میرا اپنی ہونا کس قدر ذلت کا باعث بنا آپ کے لئے۔" وہ بے آواز رو رہی تھی، اپنا وجود کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا، رہ رہ کر یہ احساس اسے مارے ڈال رہا تھا کہ وہ زبردستی ان کے سر پر مسلط کی گئی ہے، کرب اور اذیت کے کوڑے اس کی روح چھلنی کر رہے تھے، اس کے آنسوؤں نے شدت اختیار کی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن ولیمے کی تقریب تھی، ردا نے اس کے لئے نارنجی پشواز خریدی تھی، جسے پہن کر وہ کوئی باربی ڈول لگ رہی تھی، عین ولیمے کی تقریب کے وقت ارم اور رقیم حاشر آئے تھے۔

انابت رقیم اپنی پوزیشن کی پرواہ کیے بغیر ان سے لپٹ گئی، اتنے دنوں کا غبار ایک لمحے میں آتش فشاں کی طرح نکلا تھا، وہ اتنا روئی تھی کہ ردا اور صبا سمیت خود ارم اور رقیم حاشر سے اسے چپ کروانا مشکل ہو گیا۔

رات کے تقریباً ایک بجے اسے روایت کے مطابق اذن ابصار کے کمرے میں پہنچا دیا گیا، موتیے اور گلاب سے آراستہ پورا کمرہ رات کے فسوں اور دلفریبی میں گھولا عجیب سا سماں باندھ گیا، اس نے پرسکون ہو کر ٹانگیں بیڈ پر پھیلا دیں اسے اذن ابصار سے کسی جذباتی رویے کی امید نہیں تھی، جبکہ اول روز سے ہی وہ اسے متاثر کرنے میں ناکام رہی تھی، ایک طرف یاسیت تھی تو دوسری طرف عجیب سی سرشاری تھی، جیسا تھا اب وہ اس کا تھا، جسے چپکے چپکے دل کے من مندر میں چھپا کر رکھا وہ اسے بن مانگے مل گیا وہ اس کی محبت کی ڈور میں بندھتی جا رہی تھی، نجانے نکاح کے دو بولوں کی کشش تھی یا اس کی دل کی خواہش کہ جذبات خود بخود لے بدلتے جا رہے تھے۔

"میں سارے اختلافات مٹا دوں گی، اپنی وفا سے میں آپ کی ہر غلط فہمی دور کر دوں گی، کہتے ہیں پیار سچا ہو اور لگن پختہ ہو تو جیت پیار کی ہی ہوتی ہے، میرا پیار بھی سچا ہے، میں اپنی وفا اور محبت سے آپ کو تسخیر کر لوں گی۔" اس کا معصوم دل عہد باندھ رہا تھا، اذن ابصار کے دل میں بھرے زہر کے زہریلے پن کی شدت جانے بغیر۔

☆☆☆

"اذن جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب تم خود کو ایڈجسٹ کر لو حالات کے مطابق۔" نویان نے رسانیت سے کہا تو وہ بھڑک اٹھا۔

"کتنا مشکل ہوتا ہے کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا جسے آپ سب سے زیادہ ناپسند کرتے ہوں، تم نہیں جانتے۔" اس نے غصے سے رخ پھیرا۔

"یار! تمہیں کیوں اتنی نفرت ہے اس سے؟"

"تمہیں نہیں معلوم؟" اذن ابصار کی طنز میں گھلی آواز نویان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تم اسے چینج کر سکتے ہو۔" انابت رقیم قدرے بے باک واقع ہوئی تھی رہی سہی کسر امریکن طرز زندگی نے پوری کر دی تھی۔

"مجھے کسی کو نہیں بدلنا۔" وہ ضدی پن سے گویا ہوا۔

''ہم خود ہی تو ترقی، ترقی کا شور مچاتے ہیں، اب جب ہمارے ملک کی عورتیں آگے بڑھ رہی ہیں تو بھی ہمیں ہی اعتراض ہے۔'' نویان نے اسے دوسرے پہلو سے سمجھانا چاہا۔

''میں نے حقوق نسواں یا ان کے ترقی کے کردار سے کب انکار کیا ہے، ٹیکنالوجی ہے، سائنس ہے، آرٹ ہے اس طرف تو کوئی ترقی کرتا نہیں، البتہ فیشن کو ضرور سب دھڑا دھڑا اڈاپٹ کر رہے ہیں، ہم چادر کے اندر رہ کر بھی ترقی کر سکتے ہیں نویان۔'' اس نے اتنے غصے میں کہا کہ نویان کو خاموش ہونا پڑا۔

''اگر میں یہ سب نظر انداز کر بھی دوں تو اس کی عمر، محض اٹھارہ برس، کم از کم آٹھ سال بڑا ہوں میں اس سے۔'' اس نے دوسرا نکتہ اٹھایا۔

''اتنا ایج ڈفرینس تو چلتا ہے اذن۔'' اس نے اعتراض رد کیا۔

''کتنی بچکانہ حرکتیں کرتی ہے وہ، گیارہ بجے آئسکریم، بارہ بجے لانگ ڈرائیو بلی کے بچوں سے کھیلنا۔''

اذن ابصار نے اس کے شاندار کارنامے گنوائے جو اس کے علم میں تھے دو تین وہ حذف کر گیا تھا جن کی وجہ سے وہ زیادہ بدگمان ہوا تھا۔

''یہ اس کی عمر کا تقاضا ہے یار، جیسے جیسے وقت گزرے گا وہ سمجھ دار ہو جائے گی۔''

''تب تک میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر وقت گزرنے کا انتظار کروں۔'' اس نے تلملا کر کہا۔

''اتنی نفرت کی وجہ تو بتا۔'' اس نے اپنا سوال دہرایا۔

''جو گنوائیں ہیں وہ کم ہیں۔'' وہ بھنا کر بولا۔

''تم کنزلی سے محبت کرتے ہو؟'' انداز تیکھا تھا۔

''آف کورس کرتا ہوں۔'' نویان نے شرارتی انداز میں جواب دیا۔

''کوئی وجہ۔'' انداز سنجیدہ تھا۔

''محبت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔'' اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر جواب دیا۔

''تو پھر نفرت کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔'' اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''جاؤ اب آرام کرو، ٹائم کافی نکل گیا ہے۔'' نویان نے بات لپٹی کہ اندر انابت رحیم اس کے انتظار میں بیٹھی تھی، وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تو نویان نے بھی اپنی راہ لی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو سوا چار ہو رہے تھے، فجر کی اذان کی صدائیں چاروں طرف سے بلند ہونے لگیں تھیں کمرے کی لائٹ جل رہی تھی، انابت رحیم اس کے آنے تک سو چکی تھی، نارنجی رنگ کے پشوار میں وہ بلب کی طرح جگ مگا رہی تھی، لپ اسٹک سے سجے یاقوت کے دانوں جیسے شنگرفی ہونٹ نرمی سے بند تھے، بڑی بڑی پلکیں آنکھوں پر سایہ بنا گئیں تھیں، بے خبری میں سوتی انابت رحیم کسی کو بھی بے بس کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی، اذن ابصار ٹرانس کی سی کیفیت میں بیڈ کے قریب آیا اور اس کے سامنے کنارے پر ٹک گیا، انابت رحیم کو دیکھ کر اس کے چشم تصور میں حیا اتر آئی، گو کہ انابت رحیم اس سے کہیں زیادہ حسین و جمیل تھی مگر حیا کے چہرے کا تقدس، اس کی جھکی پلکیں، اس کی جھجک، اس کا وقار، اس کی شخصیت کا ٹھہراؤ ایسی چیزیں تھیں جن کا اذن ابصار خواہش مند تھا، دوسری طرف انابت رحیم تھی، ضدی، منہ پھٹ، لاابالی چونچال طبیعت کی مالک، ابھی تک بچپنے کے کناروں میں قید۔

اس نے ایک باوقار جیون ساتھی کی تمنا کی تھی مگر سارے خواب چکنا چور ہو گئے، ایک دم وہ اس کے سحر سے نکلا تھا، سارا فسوں کہیں غائب ہو گیا تھا، وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھا، ایک اچٹتی نگاہ اس کے پر بہار سراپے پر ڈالتا وہ واش روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

صبح جب انابت رحیم کی آنکھ کھلی تو سورج کی شعاعیں چھن چھن کر گلاس ونڈو سے صبح ہونے کا پیغام دے رہی تھیں وہ آنکھیں مسلتی ہوئی اٹھ بیٹھی، قدموں کی چاپ اور نقرئی قہقہوں نے شہادت دی کہ تمام لوگ بیدار ہو چکے ہیں، اس نے اضطراری انداز میں اذن ابصار کی تلاش میں کمرے کے چاروں اطراف نگاہیں دوڑائیں مگر وہ کہیں نہیں تھا، صوفے پر پڑا اس کا بلیک تھری پیس گواہی دے رہا تھا کہ وہ رات کو آیا تھا، اس کے دل میں کوئی بے چینی سرایت کرنے لگی، چند لمحے وہ یونہی خالی پن سے بیٹھی رہی، پھر چینج کرنے کی غرض سے واش روم میں گھس گئی، سی گرین کلر کا خوبصورت سا سوٹ پہلے سے وہاں لٹکایا گیا تھا، نہا کر وہ خود کو کافی تازہ دم محسوس کر رہی تھی، دوپٹہ کندھے پر لٹکاتے ہوئے اس نے بال خشک کیے اور پھر آئینے کے سامنے بیٹھ گئی، ہلکے ہلکے گیلے بال اس کے چہرے کے اطراف میں بکھرے تھے اور رات کے میک اپ کے اثرات چہرے پر کہیں کہیں باقی تھے بہر حال وہ سادگی میں بھی دلکشی کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

وہ بالوں کو برش سے سنوارنے میں مگن تھی جب ہلکی سی چرچراہٹ سے دروازہ کھل گیا، اندر آنے والا اذن ابصار تھا۔

وہ خاموشی سے آ کر بیڈ پر بیٹھ گیا، کچھ اس طرح کہ آئینے میں انابت رحیم کو اس کا عکس نظر آ رہا تھا، بدلے ہوئے رشتے کو محسوس کر کے وہ نجانے کیوں گھبرانے لگی تھی۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' سرد لہجے میں کہتا وہ اس کی سانسیں منجمد کر گیا تھا۔

وہ رخ موڑ کر اس کی طرف ہوئی، اب وہ عین اس کے سامنے تھی، اس نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اسے اپنی طرف ہی متوجہ پایا، آنکھوں کے گرد پڑے ہلکے سے حلقے اور آنکھوں کی سرخی اس کے رت جگے کی داستان سنا رہے تھے، وہ بلیک اور آف وائٹ کنٹراسٹ کے پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا، اس نے دوسرے ہی لمحے نظروں کو جھکایا۔

''یہ شادی کن حالات میں ہوئی تم بخوبی سمجھتی ہو، میرے نزدیک تمہارے کیا خیالات ہیں تم ان سے بھی آگاہ ہو ازدواجی لحاظ میں تمہیں کبھی وہ مقام نہیں دے پاؤں گا جو تمہارا حق ہے، لیکن میں تمہیں قانونی تحفظ ضرور فراہم کروں گا، ہو سکتا ہے آگے چل کے مجھے اس رشتے میں کوئی کشش محسوس ہو لیکن فی الحال میرے لیے یہ ایک اضافی بوجھ ہے اور کچھ نہیں، میں چاہتا ہوں اگر تمہارے دماغ میں کچھ اس نئے تعلق کی وجہ سے امیدیں وابستہ ہیں تو تم مائنڈ میک اپ کر لو۔'' اجنبیت سے بھرپور لہجے میں وہ کہتا اس کے سارے خواب نوچ کر لے گیا، اسے یقین تھا کہ اذن ابصار اسے بے مراد کبھی دامن ہی رکھے گا مگر انجانے کیوں درد کا احساس نیا تھا۔

اس کی نگاہوں نے بے ساختہ اٹھ کر اذن ابصار کے بدلتے تاثرات جانچے تھے، اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اس نے آنسو روکنے چاہے، وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی مگر پھر بھی موتیوں نے راہ بنا لی تھی۔

''اور پلیز اب بے کار میں رونا دھونا شروع مت کر دینا مجھے آنسوؤں سے بہت چڑ ہوتی ہے اور تمہارے آنسو تو مجھے بالکل بھی متاثر نہیں کر پائیں گے۔'' اس کی بےزاری اپنے عروج پر تھی اور کسی کی نہ سننے والی انابت رحیم چپ چاپ اس

کی سن رہی تھی، اسے لگا تھا جیسے عمر بھر کی قید کا سودا ہوا ہے، درد کے دائرے نے وسعت پکڑی تھی، اس کے چہرے پر تبدیلی کا موسم آیا تھا، مگر اذن ابصار کے پاس فرصت کہاں تھی اس گرتی پڑتی لڑکی کو سنبھالنے کی، بہت کوشش کے باوجود اس کے آنسو تھم نہیں رہے تھے، وہ کل سہاگن ہوئی تھی اور اسے لگا تھا آج ہی اس کی سیج لٹ گئی ہو، اذن ابصار اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں تھا، اپنے الفاظ کے سنگلاخ میں اسے لہولہان ہونے کے لئے تنہا چھوڑ گیا تھا۔

☆☆☆

یونہی شب و روز بے بسی اور کرب میں کٹنے لگے تھے، وہ اس کی دسترس میں ہونے کے باوجود اس سے میلوں فاصلے پر تھا، ارم اور رقیم حاشر اکثر انابت سے ملنے آتے رہتے، اس کی مسکراہٹ انہیں مطمئن کرنے کو کافی تھی، سب لوگ حقیقت سے بے خبر اذن ابصار کے دھوکے میں جی رہے تھے، وہ اپنے پاپا سے کیا عہد نبھا رہا تھا محض اپنا نام انابت رقیم کے ساتھ جوڑ کے زندگی یونہی چل رہی تھی کہ۔

اگلی صبح ایک اور ہنگامہ آرائی لیتے نمودار ہوئی، چوہدری کریم حاشر اپنے ساتھیوں سمیت ابصار ہاؤس آدھمکے اور انابت رقیم کا مطالبہ کیا، ابصار فیملی کا ملک کے بڑے ناموں میں سے ایک نام تھا، دوسرا وہ انابت رقیم پر قانونی حق رکھتے تھے لہٰذا چوہدری کریم حاشر کو خالی ہاتھ واپس جانا پڑا، چونکہ وہ نکاح سے لاعلم تھے، مگر ان کے غیض و غضب سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ خاموش نہیں رہیں گے، دوسری طرف ارم اور رقیم حاشر پر قہر کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، چوہدری کریم حاشر کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اور پھر وہ ہو گیا جس کا اذن ابصار کو گمان بھی نہیں گزرا تھا شہوار ابصار کی گاڑی سروس کے لئے ورک شاپ گئی تھی، بہ مجبوری انہیں اذن کی گاڑی استعمال کرنی پڑی اور کچھ ہی دیر بعد ان کی گاڑی پر قاتلانہ حملہ ہونے کی اطلاع ملی، دو گولیوں نے ان کے پیٹ کو نشانہ بنایا تھا جبکہ ایک گولی ٹانگ کو چھو کر نکل گئی، فوری طبی امداد کے لئے انہیں ہسپتال پہنچا دیا گیا، ابصار ہاؤس کے مکینوں کو یہ خبر سایہ دار شجر سے نکال کر چلچلاتی دھوپ میں لے آئی، وہ آگے پیچھے گاڑیوں میں بہ عجلت ہسپتال روانہ ہوئے تھے، اپنی بھگدڑ میں انہیں انابت رقیم کا بھی خیال نہ رہا، جو اوپر کمرے میں اذن ابصار کے کپڑے پریس کر رہی تھی، نیچے لاؤنج سے موصول ہوتی آہ و بکا اور واویلا سن کر اس نے استری کا پلگ نکالا اور تیزی سے نیچے چلی آئی، مگر اس کے پہنچنے تک لاؤنج پر سکوت طاری ہو چکا تھا۔

''سب لوگ کہاں گئے ثمینہ؟'' اس نے ملازمہ سے دریافت کیا اور پریشان حال ملازمہ سے جو اطلاع اسے سننے کو ملی وہ اس کے اوسان خطا کرنے کو کافی تھی، وہ ڈگمگاتے ہوئے وہاں ڈھے سی گئی۔

''یہ سب کیا ہو گیا، آخر اور کتنے امتحان باقی تھے۔'' اس کا ننھا سا دل سینے میں ہی مچل کر رہ گیا۔

''اے میرے خالق پاپا کو زندگی بخش دے اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں یہ دکھ ساری زندگی برداشت نہیں کر پاؤں گی میرا وجود تو ان کے احسانات کے زیر بار ہے، میں ان کے احسانوں کا بوجھ برداشت کر سکتی ہوں مگر ان کے طنز و تشنیع رویے کا بوجھ کبھی نہیں سہہ پاؤں گی۔''

اس کا وجود مٹی کے ڈھیر کی طرح ساکت تھا، لب خاموش تھے تو آنکھیں پتھر، لیکن دل دھڑک رہا تھا عجیب کرلاہٹیں مچا رہی تھیں، شہوار

ابصار کی زندگی کے طویل ہونے کی دعائیں بھی مانگ رہا تھا، نجانے کتنے پہر وہ لاؤنج میں تنہا ساکت و صامت بیٹھی رہی۔

☆☆☆

''خدا پر بھروسہ رکھیں بھابھی! شہوار بھائی کو اللہ نے چاہا تو کچھ نہیں ہو گا۔'' آنسو بہاتی ردا کو صبا نے تسلی دی۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' ان کے بہتے آنسوؤں نے اس دعا کے سچ ہو جانے کی دہائی دی، شہوار ابصار کا فوری طور پر آپریشن کر کے گولیاں نکال دی گئیں تھیں لیکن ابھی تک وہ بے ہوش تھے اور ڈاکٹرز کے مطابق جب تک وہ ہوش میں نہیں آتے خطرہ برابر موجود تھا، انہیں آپریشن کے بعد آئی سی یو شفٹ کر دیا گیا تھا آئی سی یو کے باہر موجود تمام نفوس ان کی زندگی کے لئے دعا گو تھے ہونٹوں پر دعا کے الفاظ پھسل رہے تھے تو آنکھیں اشکبار تھیں۔

''یہ کیا ہو گیا نویان! پاپا کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟'' اذن ابصار بہت ضبط کے باوجود نویان کے سامنے ضبط ہار گیا تھا، نویان کا حال بھی تو کچھ مختلف نہ تھا لیکن اذن ابصار، شہوار ابصار سے بہت محبت کرتا تھا، بچپن سے لے کر آج تک وہ ان کا لاڈلا بیٹا رہا تھا، انہیں تکلیف میں دیکھ کر وہ جیسے خود درد سے بلبلا رہا تھا۔

''ہمت کرو اذن! تم پاپا کا مان ہو، ان کا فخر ان کی ہمت ہو، تو ایسے ہی ہیو کرو گے تو کیسے چلے گا، مما کو ہمارے حوصلے کی ضرورت ہے، میرب کھنک، کنز، چاچو، چاچی سب ہمارے ہمت و حوصلے سے امیدیں وابستہ کیے ہیں، ہمیں ان کا زور بازو بڑھانا ہے اذن۔'' وہ رسانیت سے اسے سمجھا رہا تھا لیکن نویان کی آنکھوں کا گھیراؤ کرتی سرخی اس کی گریہ و زاری کا ثبوت تھیں۔

''اس گاڑی میں، میں کیوں نہیں تھا نویان، میں نے پاپا کو کیوں جانے دیا خود چلا جاتا، ان کے حصے کے غم اپنے سینے میں دفن کر لیتا، خود اپنی ذات پر یہ گولیاں سہہ جاتا۔'' اس کا دل جیسے ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا، وہ حال سے بے حال ہو رہا تھا۔

''ایسی باتیں مت کرو اذن، پاپا کی صحت یابی کے لئے دعا کرو، قدرت کے امور میں ہمیں عمل دخل کا کوئی حق نہیں۔'' نویان نے اسے محبت سے ڈپٹا۔

''یہ سب انابت رقیم کے باعث ہے نویان، اس کے حصول کے لئے چوہدری کریم حاشر نے میری گاڑی پر حملہ کروایا مگر وہاں میری بجائے پاپا اس کی سفاک سوچ کا نشانہ بن گئے۔'' وہ یکدم طیش میں آیا تھا۔

''تم کیوں اس معصوم کو اس سب کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہو؟'' نویان جھنجھلایا۔

''تو پھر ہماری ان جاگیرداروں سے کیا کوئی ذاتی خلش ہے، یہ سب اس کی وجہ سے ہے، میں اسے اپنے گھر میں رہنے ہی نہیں دوں گا میں اس کی خاطر اپنا آشیانہ اجڑنے نہیں دوں گا۔'' پہلی بار وہ ایسے لوگوں سے خوف زدہ ہوا تھا اپنوں کی زندگی کیسے انسان کو کمزور بناتی ہے اس کا اندازہ اذن ابصار کو اسی پل ہوا تھا۔

''بزدل مت بنو اذن! ہم ان کی بات کا منہ توڑ جواب دیں گے، ہم انہیں بے نقاب کر دیں گے ان کی سفاک سوچ کھلے عام ظاہر کر دیں گے۔'' نویان نے نئی راہ دکھائی۔

''ہاں میں بزدل ہوں نویان، اپنے پاپا کو موت کے قریب کھڑا دیکھ کر میں بزدل ہو گیا ہوں، اگر انابت رقیم کو بسانے کی قیمت میری زندگی ہوتی تو میں بخوشی یہ قیمت ادا کر دیتا، مگر اپنے پاپا کو کھو کر میں یہ عہد نہیں نبھا سکتا، انابت رقیم کے تحفظ کے بدلے میں اتنا بھاری تاوان ادا

نہیں کر سکتا۔'' وہ چیخ اٹھا تھا اس کے اعصاب چٹخنے لگے تھے، شہوار ابصار اس کی کمزوری تھے اس کا خاندان اس کی کمزوری تھا اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔

''اگر پاپا کو کچھ ہو گیا تو میں بھی نہیں جی سکوں گا۔'' وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

''مایوسی کی باتیں مت کرو اذن، پاپا ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔'' نوبان ابصار نے اسے مستحکم آواز میں یقین دلایا۔

☆☆☆

تقریباً بارہ بجے صبا کو انابت رقیم کا خیال آیا تھا کہ وہ ابصار ہاؤس میں تنہا تھی، اپنی افراتفری میں وہ اس کی موجودگی بالکل فراموش کر گئے تھے، صبا چاہتی تھی کہ کنزیٰ، میرب اور کھنک کچھ دیر کے لئے گھر چلے جائیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، لہٰذا انہوں نے اذن ابصار کو انابت کے پاس جانے کو کہا۔

''میں بابا کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔'' وہ ہٹیلے پن سے بولا۔

''سمجھا کرو اذن وہ تمہاری بیوی ہے، اس کے حقوق کا خیال تمہیں ہی رکھنا ہے، وہ نجانے کب سے گھر میں اکیلی ہے تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس چلے جاؤ کچھ ہی دیر میں، میں کنزیٰ اور نوبان کو بھیج دوں گی پھر تم دونوں آ جانا۔''

انابت رقیم کے ذکر پر اس کے تیکھے چتون مزید تن گئے اور دل میں بدگمانی کے بادل مزید گہرے ہوئے تھے، صبا نے بہت مشکل سے سمجھا بجھا کر اسے گھر روانہ کیا ورنہ وہ تو ایک لمحے کے لئے بھی آئی سی یو کے دروازے سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔

☆☆☆

جب وہ ابصار ہاؤس پہنچا تو انابت رقیم دائیں بائیں لاؤنج میں مسلسل چکر کاٹ رہی تھی، اس کی سوجی ہوئی آنکھیں اور ستا ہوا چہرہ اس کے مسلسل جاگنے اور رونے کی گواہی دے رہا تھا، اسے دیکھتے ہی اذن ابصار کا دل چاہا تھا کہ لمحہ کی تاخیر کیے بغیر فساد کی اس جڑ کو گھر کی دہلیز سے نکال باہر کرے۔

اذن ابصار پر نظر پڑتے ہی وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکی۔

''پاپا کیسے ہیں اب؟'' ارم اور شہوار ابصار کے بہت اصرار پر اس نے انہیں اذن ہی کی طرح ممی، پاپا کہنا شروع کر دیا تھا۔

''آپ نے مجھے کچھ بتایا بھی نہیں کب سے آپ کو کال کر رہی ہوں آپ نے میری کال بھی ریسو بھی نہیں کی معلوم ہے میں کتنا پریشان ہو رہی ہوں مجھے ساتھ بھی نہیں لے کر گئے۔'' اس کی موجودگی کو فراموش کیے وہ یوں تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا جا رہا تھا جیسے اس کے علاوہ وہ دوسرا کوئی شخص موجود نہ ہو، وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تیز تیز بولتی ہوئی بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے آپ سے؟ پاپا کیسے ہیں اب؟'' اس کی مسلسل خاموشی سے جھلا کر اس نے تن کر اس کے سامنے آ کر پوچھا۔

''کیا بتاؤں تمہیں، بولو یہ کہ تمہاری وجہ سے پاپا زندگی اور موت کے مابین جھول رہے ہیں وہ مجھ سے بات نہیں کر رہے انابت ان کی آنکھیں بند ہیں تو سانسیں مدھم وہ اپنے بیٹے، بیوی، اپنے بھائی کسی کے احساس کو محسوس نہیں کر رہے وہ ہماری پکار نہیں سن رہے۔'' اس نے ایک لمحے میں ضبط کھویا تھا، وہ شیر کی طرح دھاڑا تھا، انابت رقیم اس کا اضطراب سمجھنے کے باوجود ڈر سی گئی وہ سر ہاتھوں پر گرا کر کنپٹیاں مسلنے لگا تھا۔

''پاپا ٹھیک ہو جائیں گے، مجھے اپنی دعاؤں پر یقین ہے۔'' اس نے اذن ابصار کو تسلی دینے کے لئے اپنا مخروطی ہاتھ اس کے شانے پر رکھا

جسے اس نے زوردار جھٹکے سے پیچھے کیا، انابت رقیم گرتے گرتے بچی۔

''تمہاری تسلی و تشفی کے الفاظ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، میرے پاپا کو اس حال تک پہنچانے والی تم ہو، اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' وہ اس کے کان کے پاس پھنکارا، انابت رقیم سہم سی گئی، اس کی نگاہوں سے چھلکتی بے گانگی اسے ڈرا رہی تھی۔

''میں پاپا کی زندگی کے لئے دعا کروں گی، چاہے آپ کو ضرورت ہو یا نہ ہو۔'' انابت رقیم کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں اذن ابصار کا اجنبی رویہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔

''کیوں کرو گی تم دعا؟'' اسے جیسے اختلاف ہوا، وہ ایک دم آگے بڑھا اور انابت رقیم ایک قدم پیچھے۔

''میں ان سے محبت کرتی ہوں جیسی میں اپنے پاپا سے کرتی ہوں۔''

''محبت تو تم مجھ سے بھی کرتی تھیں، کچھ عرصہ پہلے تم مجھ سے محبت کی دعویدار تھیں۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولا، وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا اور انابت رقیم ہولے ہولے پیچھے، اچانک اس کے قدم تھم گئے تھے اس کے عقب میں دیوار نے رکاوٹ ڈال دی تھی وہ پوری طرح دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی، مگر اذن ابصار کے قدموں کی پیش قدمی جاری تھی، فاصلہ کم ہونے لگا تھا، قدموں کی دوری سمٹنے لگی تھی، اس نے اگلی آنے والی ساعت دیکھنے سے قبل ہی آنکھیں موند لیں۔

''بولو۔'' اس کی بازگشت پر اسرار سناٹے میں ابھری تو اس نے نگاہیں وا کیں۔

''میں تو اب بھی آپ سے محبت کی دعویدار ہوں۔'' اس نے بے بسی سے اعتراف کیا، اذن ابصار استہزائیہ ہنسا۔

''کیسی محبت؟'' اس کی تیز نگاہیں انابت رقیم کے وجود پر جمی تھیں جو ہولے ہولے تھرتھرا رہا تھا، اس کی نگاہوں کے شعلے انابت رقیم کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے تھے، نجانے کیوں اذن ابصار آج اسے بہت اجنبی لگ رہا تھا، رات کی پراسراریت اور اذن ابصار کے بدلے اطوار، دونوں مل کر اس کے حواس مختل کر رہے تھے۔

''میں آپ کی خوشی چاہتی ہوں اور کوئی تشریح نہیں ہے محبت کی میرے پاس۔'' اس کی آواز سرگوشیوں میں ڈھلنے لگی تھی۔

''میری خوشی؟'' اس نے سوالیہ انداز اپنایا اور اپنے مابین ایک قدم کا فاصلہ بھی ختم کر دیا، اس نے دونوں ہاتھ دائیں بائیں دیوار پر اس کے شانوں کے اوپر یوں جمائے کہ اس کے ہاتھ، انابت رقیم کے کانوں کی لوؤں میں چھونے لگے تھے، ان کے درمیان دو انچ کا فاصلہ تھا، جو وہ دانستہ چھوڑ گیا اس کے سانسوں کی گرمی انابت رقیم کو اپنے چہرے پر بڑی واضح محسوس ہوئی تھی، اس کی بے پناہ قربت پر وہ موم کی طرح پگھلنے لگی تھی، اسے اپنا وجود نجانے کیوں جلتا محسوس ہوا تھا۔

''میری خوشی اسی میں ہے کہ تم ہماری زندگی سے کہیں دور چلی جاؤ، اذن ابصار کے دل و دماغ میں کسی انابت رقیم کے لئے کوئی جگہ نہیں۔'' اس کا گمبھیر آواز میں کہا گیا اگلا مطالبہ اس کی روح قبض کرنے کو کافی تھا، ایک لمحے میں وہ اس کی شخصیت کے سحر اور قربت کے احساس سے آزاد ہوئی تھی، بہت بے یقین نگاہوں سے اس نے اذن ابصار کو دیکھا تھا جس کی آنکھوں کی جوت میں نفرت کی لپک تھی، چہرے کے تاثرات میں ناپسندیدگی کی چھاپ تھی اور دیوار پر جمے ہاتھوں میں اسے ختم کر دینے کی سختی تھی۔

''ایسا ظلم مت کریں، میں آپ سے دور

نہیں رہ سکتی۔" نگاہیں نیچی رکھتے ہوئے اس نے گویا فریاد کی، آنسوؤں نے آنکھیں دھندلا دی تھیں۔

"بس کرو انابت، یہ جھوٹے آنسوؤں اور دعوے کسی اور کو دکھانا۔" وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہوا تھا، انابت رقیم کے آس پاس اس شخص کے احساس سے جلتی آگ بجھی تھی، اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ دور جا چکا تھا، ابھی نہیں وہ تو ہمیشہ سے ہی اس سے دور تھا، اس کی دسترس سے دور، ناقابل رسائی۔

"اگر میں یہاں سے چلی جاؤں تو آپ میرے جذبوں کی پاکیزگی اور سچائی پر ایمان لے آئیں گے۔" وہ ایک بار پھر قسمت آزما رہی تھی نگاہوں میں امید و یاس کے دیے جل رہے تھے، بہتے آنسوؤں سمیت وہ اس کے سامنے تھی اذن ابصار اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا، اس کی متورم آنکھیں اور تھکے تھکے نڈھال وجود کو بہت غور سے دیکھا۔

"ٹھیک ہے اگر آپ کا یہی تقاضا ہے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی مجھے آپ کی خوشی کے لئے جدائی کا یہ سودا منظور ہے۔" غمگین آنسوؤں کے درمیان یہ الفاظ کیسے اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے یہ صرف انابت رقیم جانتی تھی، دھڑکنوں میں عجیب اشتعال برپا تھا تو دل میں ایک لاشعوری پکڑ دھکڑ مچی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا اس کا موبائل بیل کرنے لگا تھا۔

"ہاں بولو نوبان...... کیا...... تم سچ کہہ رہے ہو، پاپا کو ہوش آ گیا، میں آ رہا ہوں، میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" وہ خوشی سے لبریز لہجے میں بولا، وہ جیسے اک پل میں ہر شے بھول بیٹھا تھا، اس کے ہر انداز سے بے پناہ خوشی چھلک رہی تھی، اسے جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی، وہ بہت پرجوش انداز میں باہر نکل گیا، وہ ایک بار پھر اسے فراموش کر گیا تھا، اب کی بار اسے انابت رقیم کی دہلیز پر واپس نہیں آنا تھا، وہ اسے دائمی الوداع کہہ گیا تھا، اس کا اندازہ انابت رقیم کو اپنے اندر کرلاتے بین کو سن کر ہوا تھا، وہ شکست خوردہ سی کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

چند دنوں بعد شہوار ابصار کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا، ارم اور رقیم حاشر بلاناغہ ان کی مزاج پرسی کے لئے آتے تھے، جس دن شہوار ابصار گھر آئے اسی دن اس نے رقیم حاشر کے ساتھ گھر جانے کا عندیہ سنا دیا۔

اتنے غیر متوقع فیصلے پر تمام جملہ افراد حیران تھے، حالات کی پیچیدگی وہ بخوبی سمجھتی تھی، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس نے سب کو یہ بتا دیا کہ وہ کبھی واپس نہ آنے کے لئے جا رہی ہے تو کسی نہ کسی طرح تاویل، دلیل یا دہائی ضرور اس کے قدم روک لے گی۔

"اس گھر کو تمہاری ضرورت ہے۔" ردا نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے روکنا چاہا، ان حالات میں انابت کا جانا انہیں بہت عجیب لگ رہا تھا۔

"میں جلدی واپس آ جاؤں گی مما...... پلیز مجھے اجازت دے دیں۔" اس کا رخ اب شہوار ابصار کی طرف تھا، انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"جانے دیں ردا، انابت جلد ہی لوٹ آئیں گی، آپ میری وجہ سے ہچکچا رہی ہیں تو یہ خیال چھوڑ دیں، اس گھر میں بہت سے لوگ ہیں میری دیکھ بھال کے لئے، اب تو ویسے بھی میں بھلا چنگا ہو گیا ہوں۔" ان کے الفاظ پر انابت رقیم کو اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا ندامت کے بوجھ تلے اس کا وجود جھکتا جا رہا تھا۔

"پاپا آپ کو میرے ارادوں کی کیا خبر،

آپ کے بیٹے سے کیا وعدہ بھی مجھے پورا کرنا ہے۔"

اسے اذن ابصار کی الفت میں اپنا گھر اور رشتے سب سے دستبردار ہونا پڑ رہا تھا، فرداً فرداً سب سے مل کر وہ اذن ابصار کے سامنے جا کھڑی ہوئی جو رقیم حاشر سے بغل گیر ہو چکا تھا، آخری بار وہ اس کا نقش نقش چرا لینا چاہتی تھی اس نے بہت لاچار اور تشنہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر پل بھر میں لڑکھڑاتے قدموں اور کرلاتے دل کی دہائیاں دبائے اذن ابصار کے آشیانے کو الوداع کہہ گئی اور کچھ دن کا کہہ کر جانے والی انابت واپسی کا راستہ بھول گئی، اس نے اذن ابصار کے ساتھ رہنے سے معذوری ظاہر کر دی، اس کے مطالبے پر انصار ہاؤس کے مکین حق دق رہ گئے، مگر وہ طلاق لینے کے موقف پر بدستور قائم تھی۔

شہوار ابصار اسے خود لینے گئے تھے مگر اس نے بہت کٹھور پن سے انکار کر دیا اور تو وہ بھی واماں لوٹ آئے۔

چوہدری کریم حاشر کو یہی گمان گزرا تھا کہ ان کے غیض و غضب سے ڈر کر چوہدری رقیم حاشر نے انابت رقیم کو واپس بلوا لیا ہے، مگر وہ اپنی بچی کے سامنے مجبور تھے، لہٰذا چوہدری کریم حاشر گزشتہ ایک برس سے طلاق پر زور دے رہے تھے مگر چوہدری رقیم حاشر ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے کہ شاید ان کی بچی کی ضد ٹوٹ جائے، ایک طرف چوہدری کریم حاشر کا صبر جواب دے گیا تھا تو دوسری طرف انابت رقیم اپنا فیصلہ بدلنے پر راضی نہیں تھی۔

☆☆☆

"طلاق یافتہ انابت بی بی نہ سہی، بیوہ تو ہم لے ہی جائیں گے۔" چوہدری کریم حاشر کے بے حس الفاظ اس کے وجود سے جیسے ہر احساس جھٹکنے لگے تھے، وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی، ایک بے بس کرتا خوف اسے اپنے حصار میں جکڑ رہا تھا، چوہدری کریم حاشر نے محض دھمکی نہیں دی تھی ان الفاظ اور ارادوں میں چٹانوں کی سی مضبوطی تھی انہوں نے کہا تھا تو وہ یہ سب کر گزریں گے، جس کا عملی مظاہرہ وہ ایک سال قبل دیکھ چکی تھی۔

"کیوں لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کا نام بھی میرے ساتھ نہ ہے۔" اس کی محبت نے بہت دکھ سے آرزو کی تھی۔

"جب آپ کے بغیر رہنا ہی ہے تو نام سے کیا ہوتا ہے، آپ کی زندگی کے عوض مجھے یہ سودا بھی کرنا ہی پڑے گا اور آپ کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، انابت رقیم آپ کے بغیر جیے یا آپ کی یادوں کے بھنور میں ڈوب کر مر جائے آپ کی تو اول روز سے یہی خواہش رہی ہے۔"

وہ اس کی محبت اور چاہت کی شدت سے نا واقف تو نہ تھا، اس کی دیوانگی سے خوب باخبر تھا۔

تمہاری یاد کی خوشبو مجھے رونے نہیں دیتی
کسی درد بھرے گیت کی صورت
اداسی پھیل جاتی ہے۔
تمہاری یاد شام غم میں۔
آنسوؤں کے گلے لگ کر
پہروں بیٹھی رہتی ہے
سانسوں میں جمی درد کی صورت
بوسیدہ ڈائری میں سجے اجنبی لفظ
ادھوری رات کا پورا چاند
تیری یاد کے بستر پر مجھے سونے نہیں دیتا
پلکوں پہ سجے نوخیز خواب
بے تکے انتظار میں گم آنکھیں
تیری ہی کھوج میں رہتی ہیں
اڑتے بادلوں کے سینے میں
بھیگی ہوئی سوچیں

ہر طرف پھیلی ہوئی
اپنے ہی خول میں سمٹی ہوئی
انتظار کی گرد میں لپٹی ہوئی
مدھم تصویریں
میں چاہوں بھی تو مجھے
کھونے نہیں دیتیں
صدیوں سے جاگتے لمحے
چپکے سے کہتے ہیں میرے کان میں آکر
بدلتے موسموں میں
انتظار کی اس شدت سے
کوئی بے خبر تو نہیں

☆☆☆

''رقیم نے طلاق کے پیپرز بھجوائے ہیں انا خلع چاہتی ہے، وہ واپس آنے کے لئے تیار نہیں۔'' شہوار ابصار نے قدرے بجھے ہوئے لہجے میں اطلاع فراہم کی، اذن ابصار کا پانی کی طرف بڑھتا ہاتھ ایک ساعت کے لئے ساکت ہوا تھا، اس کی ضد سے وہ بے خبر تو نہ تھا، اسے معلوم تھا کہ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا، اس نے خود انابت رقیم کو اپنی زندگی سے بے دخل ہونے کو کہا تھا اور اس کی چاہت کی سچائی اور جذبات کی صداقت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اس کے ایک بار کہنے سے اپنی محبت کے پھولوں کو اپنے ہی قدموں تلے مسلتی، اپنے خوابوں کی عمارت کو اپنے قدموں تلے کچلتی، اس کی زیست کے اوراق سے اپنا ذکر مٹا گئی تھی۔

وہ خود ایسے ہی حالات کا متمنی تھا، وہ چاہتا تھا کہ انابت رقیم سے اس کا تعلق باقی نہ رہے تو پھر دیر کس بات کی تھی، تو اپنی ہی خواہش پر عمل درآمد کرنے میں اسے کیوں ایک سال کا عرصہ بیت گیا، وہ چاہ کر بھی اسے اپنی زندگی سے خارج نہیں کر پایا تھا، آخر وہ کس چیز سے بھاگ رہا تھا۔

''اذن بیٹا، میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' اسے گم صم دیکھ کر شہوار ابصار نے گویا یاد دہانی کروائی۔

''جی پاپا، کیا کہا آپ نے؟'' اس نے گڑبڑا کر دوبارہ پوچھا۔

''تم طلاق کے پیپرز پر سائن کر دو تا کہ میں واپس بھجوا سکوں۔'' اس کی کھوئی کھوئی کیفیت بھانپ کر شہوار ابصار نے کھلے لفظوں میں بات کی۔

''جی پاپا میں کر دوں گا۔''

وہ بدقت تمام کہتا جلدی سے اپنی نشست چھوڑ گیا، اس نے افطاری سے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا، وہ گاڑی نکال کر بے مقصد سڑکوں پر گھومنے لگا تھا، مگر اضطراب تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، سب کچھ حسب منشاء تھا تو میرے پھر یہ بے کلی کیوں؟ وہ خود سمجھنے سے قاصر تھا، نجانے کتنی دیر وہ بے قرار سا سڑکیں ناپتا رہا، تھک کر اس نے قدرے سنسان کنارے پہ گاڑی روک دی اور سیٹ سے سر ٹکا دیا۔

کچھ ہی دیر بعد سیل کی مخصوص ٹون بجنے لگی تھی اس نے اکتا کر سیل فون دیکھا، نمبر غیر شناسا تھا کسی مصلحت کے زیر اثر اس نے کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوا، دوسری طرف گہری خاموشی تھی، وہ اکتا کر کال ڈسکنکٹ کرنے والا تھا جب اچانک اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا، وہ حیران سا سیدھا ہوا، لمحوں میں دل نے دوسری طرف انابت رقیم کے ہونے کی گواہی دی۔

''انا پلیز انا بولو یہ تم ہو نا۔'' وہ تصدیق کے لئے مچل اٹھا، اس کی آنکھیں سرخی مائل ہو رہی تھیں، ضبط کی طنابیں گویا چھوٹنے کو تھیں دوسری طرف سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں۔

وہ بولنے کا قصد کر رہی تھی مگر آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی اذن ابصار کی آواز میں بے تابیاں بڑھنے لگی تھیں، چند لمحے اسے پکارنے کے بعد وہ خاموش ہو گیا تھا، وہ بہت غور سے اس کی ڈوبتی ابھرتی سانسوں کے زیر و بم کو محسوس کرنے لگا تھا، اس کی آواز کی شکل اختیار کرتی سسکیوں کو کسی رس کی طرح کانوں میں انڈیلنے لگا تھا، دل پر جیسے سکون کا بادل منڈلانے لگا، ایک دم ہی اس کو قرار آیا تھا، بے چینیوں کو راحت ملی تھی، وہ چپ چاپ موبائل کان سے لگائے پورے ایک سال بعد اپنی منکوحہ کے احساس کو محسوس کر رہا تھا۔

''پلیز مجھے طلاق دے دیں۔'' ہچکیوں کے مابین اس نے بہت ہمت مجتمع کر کے کہا، اس کی آواز نے اذن ابصار کے اطمینان میں ہلچل مچا دی تھی، اس کے لہجے میں ایسا درد تھا اذن ابصار تڑپ کر رہ گیا، اس کا اندر تک چھلنی ہو گیا، اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے کال کاٹ دی، شاید مزید ضبط کی تاب نہ تھی اس میں۔

اذن ابصار کتنی ہی دیر خالی خالی نگاہوں سے موبائل کی جگمگاتی اسکرین دیکھتا رہا، جو بات اسے گزشتہ ایک برس میں سمجھ نہیں آئی تھی، وہ بات انابت رقیم کی ایک سسکی سمجھا گئی تھی، تمام گتھیاں سلجھ گئی تھیں راستے شفاف تھے، اذن ابصار کو بس قدم بڑھانا تھے۔

کتنی عجیب بات تھی کہ حیا اس کے چشم تصور، اس کی سوچ کے دائرے، ذہن کے پردے، دل کی دھڑکن میں کہیں بھی نہیں تھا، وہ کہیں نہیں تھی پہلے نہ اب۔

☆☆☆

''تم نے سائن کر دیے؟'' شہوار ابصار نے اگلا جملہ ادا کیا۔

''نہیں۔'' اس نے کہا اور پلیٹ پر جھک گیا۔

''میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔'' اس نے پرسکون انداز میں اطلاع دی۔

''مگر انا آنے کے لئے راضی نہیں۔'' شہوار ابصار الجھے۔

''وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں، آپ بس کل جا کراپنی بہو کو لے آئیں۔'' اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا جیسے سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہو۔

''اگر اس نے آنے سے دوبارہ انکار کر دیا تو تمہارے پاپا کو مایوس لوٹنا پڑے گا۔'' شہوار ابصار کے بجائے ردا نے کہا، ان کی آواز میں پہلے تجربے بول رہے تھے، خدشات بھی تھے اور واہمے بھی۔

''میں نے کہا نا مما...... انشاللہ اب ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ پریقین انداز میں بولا۔

تین دن بعد چاند رات تھی اور پھر عید، اس کے پاس وقت بہت کم تھا، اس نے فون کر کے تمام صورت حال رقیم حاشر کو سمجھا دی تھی کہ انابت رقیم کو ہر صورت شہوار ابصار کے ساتھ رخصت کیا جائے۔

باقی چوہدری کریم حاشر کا وہ مکمل طور پر بندوبست کر چکا تھا قانونی طور پر بھی اور اپنے طور پر بھی اور انابت شہوار ابصار کو ایک بار پھر اپنے گھر دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی ان کے روبرو انکار کرنے کی ہمت اس میں باقی نہ تھی وہ الٹے قدموں واپس لوٹ آئی۔

''اپنے باپ کی عزت کی لاج رکھ لو انا بیٹی۔'' رقیم حاشر کے یہ الفاظ اسے ندامت سے چور کر گئے، وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی، اس کی ذات کی بقاء کے لئے اس کو دکھ کی پرچھائیوں سے بچانے کے لئے اس کے والدین نے کیا کیا نہ کیا تھا بدلے میں اس نے انہیں اذیت کے اور کچھ بھی تو نہیں دیا تھا، مگر وہ یہ اذیت دینے پر بھی

مجبور تھی، اس کے باپ کو اس کی وجہ سے نجانے کس کس کے سامنے سر جھکانا پڑا تھا اور کن کن حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

''میں ساری زندگی تمہاری ٹھوکروں میں گزارنے کو تیار ہو اذن ابصار مگر اس پل میں اپنے باپ کو نامراد نہیں بھیج سکتی ایک دفعہ اپنے باپ کی بات مان کر تم نے مجھے اپنایا تو آج اپنے پاپا کی بات مان کر میں خود سے اور تم سے کیا عہد توڑ رہی ہوں۔''

''تمہارے نام کا تو مطلب ہی عاجزی ہے تو پھر یہ اکڑ کس لئے انابت بی بی، جاؤ خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دو کسی اچھے کی امید مت رکھنا۔'' اس نے بے حسی سے سوچا۔

''پاپا! میں آپ کی لاج ہوں تو میں آپ کی لاج ضرور رکھوں گی۔'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں واپس آ رہی ہوں اذن ابصار پہلے سے بھی زیادہ ذلت اور رسوائی سہنے کے لئے۔''

اس کا دل درد سے بھینچا جا رہا تھا، عجیب توڑ پھوڑ مچی تھی، گزرے زخم پھر تازہ ہونے لگے تھے، وہ شہوار ابصار کے ساتھ ابصار ہاؤس روانہ ہونے کو تھی جب چوہدری کریم عاشر کے زبردست ایکسیڈنٹ نے ان کے حواس مختل کر دیئے، وہ سب الٹے قدموں ہسپتال پہنچے تھے، چوہدری کریم عاشر کی ریڑھ کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی تھی۔

عجیب لاچاری اور بے بسی کی زندگی شروع ہونے والی تھی رحیم عاشر، ارم اور انابت کی تڑپ دیکھ کر وہ نادم ہوئے جا رہے تھے، خدا کی بے آواز لاٹھی کا مطلب انہیں سمجھ آنے لگا تھا۔

صدیوں سے جو سلوک انہوں نے اس معصوم مخلوق کے ساتھ روا رکھا، وہ بد دعاؤں کی صورت میں ان کے آس پاس گونجنے لگا تھا۔

احساس ایک ایسی دولت ہے جو اس سے سرفراز ہو جائے، وہ محبتوں کا پجاری بن جاتا ہے اور جس سے وہ خدائے بزرگ و برتر چھین لے وہ تمام عمر تڑپتا ہے۔

چوہدری کریم عاشر بھی اپنی ناانصافی اور دکھ کی تقسیم بھانپ گئے تھے، انہوں نے ہاتھ پھیلا کر انابت رحیم سے معافی طلب کی، اپنے کیے پر وہ پچھتاوا محسوس کر رہے تھے گو کہ اذن ابصار تمام بندوبست کر چکا تھا مگر اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی، کہ خدا سب سے بڑا کارساز ہے قدرت نے تمام گنجلک کھول دیئے تھے، راستوں کے ساتھ دل بھی صاف ہو چلے تھے اور جو کام قدرت الٰہی کرے وہ زیادہ بہتر اور حکمت سے بھرا ہوتا ہے انابت رحیم چاندرات کو ابصار ہاؤس کے مکینوں اور چوہدری کریم عاشر کے بہت اصرار پر ان کی دعاؤں اور رضا تلے رخصت ہو کر پورے ایک سال بعد اپنے حقیقی مسکن کو لوٹ آئی۔

چوہدری کریم عاشر اپنی زندگی میں اسے خوش باش دیکھنا چاہتے تھے بقول ان کے اسے خوش دیکھ کر وہ سمجھیں گے کہ ان گناہوں کی کچھ حد تک تلافی ہو گئی ہے، وہ ابصار ہاؤس آ چکی تھی، جہاں ایک اور محاذ اس کا منتظر تھا۔

☆☆☆

''دیکھو پچھلے سال بھی میں نے ہی تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگائی تھی اور اس سال بھی میں ہی لگا رہی ہوں۔'' کنزیٰ نے اسے یاد دلایا تو وہ خوبصورت یاد تبسم بن کر اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

ابصار ہاؤس میں اس کا بہت پرجوش استقبال کیا گیا تھا تمام افراد نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، جگمگاتے چہرے اس کی آمد پر خوشی کی مہر ثبت کر رہے تھے، سب لوگ اپنی اپنی جگہ مطمئن تھے بے کل تھی محض انابت رحیم کی ذات جو کسی صورت اذن ابصار کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اس کا دل اس کے سامنے کا سوچ کر ابھی سے گھبرانے لگا تھا۔

اگلا دن عید کا تھا، مسرتوں اور چاہتوں سے لبریز، خوشیوں اور راحتوں کی خوشبوؤں میں گندھا، سارا دن مصروفیت کی نذر ہو گیا، مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، وہ صبح سے کنزیٰ کے ساتھ کچن میں مصروف تھی، ادھر اُدھر بے تکلف سی حکم چلاتی، بھاگتی دوڑتی وہ برسوں سے اسی گھر کی مکین لگ رہی تھی، عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لئے اپنے کمرے میں آئی تھی صد شکر کہ اذن ابصار باہر اپنے دوستوں کے ساتھ مصروف تھا، اس نے جلدی جلدی نماز ادا کی اور ایک بار پھر کچن کا رخ کیا، یہی بہترین پناہ گاہ تھی۔

''تم میری شادی پر نہیں آئی نا۔'' کنزیٰ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

''تم رک جاتیں نا آخر تو میں نے آنا ہی تھا، لیکن تمہیں تو خود نویان بھائی کے پاس جانے کی جلدی تھی۔'' اس نے بھی برابر جواب دیا تھا تو کنزیٰ شکوہ کر کے گھبرائی۔

''بہت منہ پھٹ ہو گئی ہو، ابھی اذن ابصار کو بھیجتی ہوں کہ سنبھالیں اپنی بیوی کو۔'' برتن کیبنٹ میں رکھتے ہوئے اس نے دھمکی دی تو انابت رحیم کے مسکراتے لب خود بخود سکڑ گئے۔

تاریکی بڑھتی جا رہی تھی وقت سرکتا جا رہا تھا، مگر وہ کمرے میں جانے کے احساس سے ہی گھبرا رہی تھی جہاں اذن ابصار کی موجودگی یقینی تھی، کنزیٰ کو اس نے زبردستی کچن سے رخصت کیا اس وعدے کے ساتھ وہ بھی جلد ہی اپنے کمرے میں چلی جائے گی۔

''ایک کپ چائے کنزیٰ۔'' اذن ابصار نے کچن میں جھانک کر کہا تو کنزیٰ کی جگہ انابت رحیم کو پا کر خفیف سا ہو گیا۔

''چلو تم ہی لے آؤ۔'' حکم صادر کرتے ہوئے وہ چلتا بنا، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کنزیٰ اسے مل گئی۔

''کچھ خیال کرو کنزیٰ، نئی نویلی دلہن کو صبح سے کام پر لگایا ہوا ہے۔''

''اتنی نویلی نہیں ہے اذن بھائی، ایک سال پرانی ہے، لیکن کیا کریں آپ کو تو ہر منٹ ہر لمحہ محترمہ نئی ہی لگیں گی۔'' اس نے معنی خیزی سے کہا تو اذن ابصار مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا، اذن ابصار کے حکم پر انابت رحیم کلس کر رہ گئی۔

''اتنی رات کو چائے کی کیا طلب۔'' اس نے تپ کر سوچا، تمام لوگ سونے کے لئے جا چکے تھے، ملازم اپنے کوارٹرز میں تھے، کوئی ذی نفس نہ تھا جس کے ہاتھ وہ چائے بھجواتی، جلتی کڑھتی وہ خود ہی چائے بنا کر اوپر تک چلی آئی، مگر اندر جانے کے خیال سے ہی اسے جھرجھری سی آ گئی، بہر حال بوجھل قدموں سے اس نے خود کو گھسیٹ کر اندر جانے پر آمادہ کیا۔

وہ ٹیرس پر فضا کی ٹھنڈک سے محو گفتگو تھا، اس کی موجودگی کا احساس کر کے مڑا، اس نے خاموشی سے چائے پیش کر دی، اس نے ٹرے سے کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

''میرا ٹیسٹ خراب ہو گیا ہے یا تمہارے ہاتھوں میں ذائقہ آ گیا ہے۔'' اس کی آواز نے انابت رحیم کے واپسی کے لئے مڑتے قدم روک دیئے وہ کمرے میں آ چکا تھا اور مصنوعی حیرت سے پوچھ رہا تھا، جواباً وہ لب کچلتی رہی۔

''چائے بہت اچھی بنی ہے۔'' وہ تعریف کر رہا تھا اس کا انداز دوستانہ نہیں تھا تو بگڑ کیا بھی نہ تھا، اس نے چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور بھرپور انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوا، آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جس سے انابت رحیم بھاگ رہی تھی، اسے

لگا تھا وہ ابھی ذلیل کر کے اسے اس کمرے سے باہر نکال دے گا، مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے انابت رحیم کا بایاں ہاتھ تھام لیا، اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو، شرعی اور قانونی دونوں حق محفوظ رکھتا ہوں۔'' اس نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''او وہ تو اذن ابصار سمجھوتہ کرنے پر راضی ہو گئے ہیں، ایک بار پھر اپنے اور میرے خاندان کی خاطر۔'' ایک سوچ رخصت ہوئی تو فوراً دوسری نے جگہ بنائی۔

''میں آپ کو سمجھوتے پر مجبور نہیں کروں گی، آپ مجھے اب کی بار اضافی بوجھ مت سمجھیں۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا، نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز میں نمی گھل گئی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ یہ سمجھوتہ ہے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھا اور ایک قدم آگے بڑھایا، اذن ابصار نے بہت اچانک اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، اس نے خوف زدہ انداز میں اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

''تو کیا واقعی ہی سمجھوتہ ہے؟'' وہ خود حیران تھی۔

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔'' وہ مزید گویا ہوئی۔

''پیار بھی تو ہو سکتا ہے۔'' وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں ہو سکتا ہے۔'' اس نے اتفاق کیا۔

''لیکن میرے لئے انہیں حیاء کے لئے، انابت رحیم کی دیوار ہمیشہ آپ کے اور اس کے مابین تنی رہی ہے۔'' اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پیچھے دھکیلے، اذن ابصار جی بھر کر بدمزہ ہوا تھا۔

''اور اگر میں کہوں کہ اس دل کے ہر کونے پر حیا نہیں انابت، دن ابصار کی محبت کے دیئے روشن ہیں تو کیا تم میرے جذبوں کی صداقت پر ایمان لے آؤ گی۔'' مدھم سی روشنی میں وہ اس کے تاثرات دیکھ نہیں پائی تھی لیکن اس کے لہجے کی شدت ضرور محسوس ہو گئی تھی، ایک بار اس نے اپنی چاہت کا یقین دلانا چاہا اور اذن ابصار نے اسے دھتکار دیا تھا اور اب وہ اس سے اسی یقین کا مطالبہ کر رہا تھا، وقت کا پہیہ الٹی رفتار سے گھوم رہا تھا۔

''ہاں انا، مجھے اقرار کر لینے دو یہ مجھے تم سے محبت ہے آج سے نہیں اس وقت سے جب پہلی بار تمہارا عکس میری آنکھوں میں جھلملایا، میں انکاری تھا تو محض اس وجہ سے کہ میں اپنے اور حیاء کے رشتے میں بے ایمانی نہیں چاہتا تھا میں اپنے اصولوں سے ہٹ کر کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا، میں ہر رشتے کے ساتھ انصاف کرنا چاہتا تھا، باقی رشتوں کو انصاف کے ترازو میں تولتے تولتے میں خود اپنے ساتھ ناانصافی کر گیا تھا، اپنی محبت کو اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی سے بے دخل کر کے تکلیف صرف تمہیں نہیں پہنچائی، میں نے خود پر بھی خوشیاں حرام کر لی تھیں، تم سے شادی اور پھر پاپا پر اٹیک، یہ ایسے حالات تھے جب میں کمزور پڑنے لگا تھا، میں بہت ڈر گیا تھا انا، پاپا کو کھونے کا حوصلہ مجھ میں نہیں تھا، میں نے اپنا سارا خوف تمہارے وجود میں منتقل کر دیا، مگر یہ سچ ہے انابت اذن ابصار کے بغیر، اذن ابصار بھی ایک لمحہ کے لئے چین سے نہیں رہ سکا، اس کی راتیں بھی بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتے گزری ہیں، انا کی سسکیوں، اس کی بے پایاں محبت نے اس کا ہر دم پیچھا کیا تھا، وہ ایک لمحہ بھی اسے فراموش نہیں کر پایا، شاید خدا نے مجھے آزمائش میں ڈالا تھا تا کہ تمہارے محبت کی جڑیں میرے سینے میں مضبوط سی جگہ بنا لیں، اگر انابت نے پل پل تڑپتے میں

گزارا ہے تو جی اذن ابصار بھی نہیں رہا تھا۔'' وہ دھیرے دھیرے اپنی شکست تسلیم کر رہا تھا اور وہ دم سادھے اس کا اقرار اپنے دل میں اتار رہی تھی، اختلاف کی گنجائش کہاں تھی وہ خود اس کی محبتوں کے سحر میں جکڑی تھی۔

''مجھے جھوٹے بہلاوے مت دیں، میں اب کوئی شیشے کا خواب نہیں سجانا چاہتی، اب کے جو یہ خواب چکنا چور ہوئے تو میں سنبھل نہیں پاؤں گی، میں ان طوفانوں کی عادی ہو گئی ہوں، مجھے انہی تھپیڑوں میں رہنے دیں، مجھے اپنی عارضی پناہوں کی عادت مت ڈالیں۔'' وہ ضبط کرتے کرتے چیخ اٹھی تھی، اس نے انابت رحیم کے کندھے کے گرد اپنا بازو حمائل کیا اس نے اپنے قریب کیا اور چلتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگائے اندر لے آیا اذن ابصار نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا، اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی وہ بے آواز سسکتی رہی۔

''چلنا تو ہمیں ساتھ ہی ہے، لیکن میں زبردستی نہیں کروں گا، تم چاہو تو اپنا فیصلہ بدل سکتی ہو۔'' وہ رک کر مخاطب ہوا۔

''بولو انا، مجھے تمہاری ہر سزا منظور ہے تم مجھے انتظار کرنے کو کہو گی تو میں تمہارے لوٹنے کا منتظر رہوں گا جب تک تم چاہو میں تب تک تمہارا انتظار کروں گا۔'' وہ پوچھ رہا تھا اور وہ چپ چاپ بہتے آنسوؤں سے اس ساحر کو دیکھ رہی تھی جسے دیکھتے ہی اس کا دل بغاوت کرنے لگتا تھا، پیار میں جزا و سزا کہاں ہوتی ہے وہ اس سے محبت کرتی تھی، اس کی ہر دھڑکن وہ شخص کسی ساز کی طرح سنائی دیتا تھا تو پھر سزا کیسے دیتی، اس نے بہت محبت سے اس کے رخساروں سے دو پانی کے موتی چن لئے۔

''کیا تمہیں اذن ابصار سے محبت ہے۔'' وہ بہت گمبھیرتا سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ بھی بھلا پوچھنے والی بات ہے۔'' اس نے کلس کر سوچا۔

''کیا اب بھی میرے اقرار کی ضرورت ہے۔'' آنکھیں رگڑتے ہوئے وہ تیکھے پن سے بولی۔

''شکر ہے تمہاری زبان تو کھلی ورنہ میں تو سمجھا تھا کچ مچ سزا سوچنے بیٹھ گئی ہے۔'' اس نے لمحوں میں رنگ بدلا۔

''پہلے تو بہت پٹر پٹر زبان چلتی تھی، محبت کے اظہار میں تمہیں ایک لمحہ نہیں لگتا تھا اب کیوں تالے پڑے ہیں زبان پر جب میرا دل اقرار سننے کو بے تاب ہے۔'' وہ شرارت سے مسکرایا تو، وہ بے طرح شپٹا گئی، اس کے شوخ انداز محسوس کر کے اس کے ارادے دم توڑنے لگے تھے۔

''آپ بہت برے ہیں۔'' اس نے مان بھرا شکوہ کیا۔

''جیسا بھی ہوں صرف تمہارا ہوں۔'' اس نے جذبات سے پر لہجے میں کہا تو وہ جھینپ کر رخ موڑ گئی۔

''ہیپی ویڈنگ اینی ورسری۔'' ایک رنگ پاکٹ سے نکال کر اس نے انابت رحیم کی انگلی کی زینت بنا کر کہا۔

''تمہیں یاد ہے اسی دن تم میرے ملے پڑی تھیں۔'' وہ مسلسل اسے چڑا رہا تھا اور وہ سچ مچ چڑ گئی۔

''اتنا ہی بڑا بوجھ ہوں تو واپس کیوں بلایا۔'' وہ برا مان گئی۔

''بس یار اب غلطی کی ہے تو بھگتنی بھی پڑے گی ہی نا۔'' وہ مسلسل اسے ستا رہا تھا، وہ منہ پھلا کر ایک طرف ہو گئی۔

''اچھا سنو!''

''عید مبارک۔'' اس نے بازو سے پکڑ کر اسے سامنے کیا۔

"آپ کو بھی۔" اس کی چمکتی نگاہوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ بولی۔

"چلو اب میری عیدی نکالو۔"

"میں...... میں کیا دوں؟" وہ بڑبڑائی۔

"سب کچھ تمہارے پاس ہے اسی لئے تو تم سے مانگ رہا ہوں۔" دھمکی دیتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور ایک لمحے میں اس کا نخروطی ہاتھ تھام لیا۔

"میں واپس آ گئی ہوں کیا یہ کسی عیدی سے کم ہے۔" ہاتھ کو اس کی گرفت سے آزاد کروا کر وہ اک ادا سے بولی۔

"اسی لئے تو تم سے مانگ رہا ہوں۔" اس کا ذومعنی انداز سے اس کے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔

"جو آپ نے میرے ساتھ کیا ہے، اس کے بعد تو منہ دھو رکھیں کسی عیدی کی توقع نہ رکھیں۔" وہ بھی حساب بے باق کرنے میدان میں نکل آئی۔

"اوہو، شیرنی کے پنجے نکل آئے ہیں۔" اس نے اسے مزید تپایا۔

"آپ مجھے لڑاکا کہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" وہ سب کچھ بھول بھال کر اس سے الجھنے لگی، مگر اس کے جذبات میں مچلتے ارادے اور بے لگام ہوتی نگاہیں اسے سمٹنے پر مجبور کر گئیں، اس کی چلتی زبان کو ایک دم بریک لگی تھی، وہ فرار کی راہ تلاش کرنے لگی۔

"میں...... وہ۔"

"تم بس میرے پاس رہو۔" مخمور سے لہجے میں فرمائش آئی۔

"میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا انا...... بس تم......" وہ اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی کافی دیر بعد اس کی مسلسل خاموشی پر انابت نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بس تم مجھ پر جگ بھر بھر کر پانی کے مت انڈیلنا۔" انابت کے چہرے پر پھیلی الجھن اس کے شریر جملے کے آخر میں غصے میں تبدیل ہوئی تھی اور اذن ابصار کا بے ساختہ قہقہہ اسے زچ کرنے کو کافی تھا۔

"اذن...... آپ۔" اس نے تنبیہی انداز اپنایا مگر اذن ابصار اس کا جملہ کاٹ گیا۔

"بدتمیز لڑکی، کیا تمہیں پتہ نہیں مشرقی لڑکیاں اپنے شوہر کا نام نہیں لیتیں۔"

"تو پھر کیا کہہ کر بلاتی ہیں۔" اس نے بہت معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں ابھی تو ہمارے چنو منو، ہیلو، بیلی ٹائپ ننھے منے بھی نہیں کہ تم مجھے ان کے پاپا کہہ کر بلا لو، چلو تم مجھے جان...... جانو وغیرہ کہہ لیا کرو جیسے اکثر لوگ کہتے ہیں۔" اس کی شرارت بھری کھلکھلاہٹیں اس کے جذبات گدگدا رہی تھیں، اس نے بازو سے پکڑ کر اسے خود میں سمویا تھا وہ جھجکتی ہوئی اس کے حصار میں قید ہو گئی برسوں کی مسافت جیسے ختم ہوئی تھی، ایک سرشاری رگ و پے میں سرایت کر گئی۔

اب جب محبت کا یقین اس کے ہمراہ تھا تو دیر کس بات کی تھی، اذن ابصار کا ساتھ اس کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع تھی، وہ اسے دوسری بار کھونے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتی تھی، اس نے محبت کے مسافر کا ہاتھ تھام لیا تھا فرار بھی وہی تھا اور پناہ گاہ بھی اسی کے پاس تھی، اس کے شریر جملوں پر اس سے فرار ہو کر وہ اسی کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی، اس کے باوجود میں پناہ ڈھونڈ رہی تھی، اذن ابصار اسے بانہوں میں سمیٹے مطمئن تھا تو انابت رحیم سرشار تھی، رات کے جھلملاتے چاند نے ان کے ساتھ کے دائمی ہونے کی بے ساختہ دعا مانگی تھی اور ستاروں نے آمین کہا تھا۔

☆☆☆